کلامِ حسن رہتاسی

مرتبہ۔ (ڈاکٹر) ایم۔ این ریاض راولپنڈی

Rs. 2/-

تھینک یو جسکو سبھی اہل سخن کہتے ہیں
زندہ باشی جسے مرغان چمن کہتے ہیں
وہ خطا کوش حنا پوش یہی ہے شاید
عرف عامہ میں جسے لوگ حسن کہتے ہیں

نقشِ ثانی

آج ہم حسن صاحب رہتاسی مرحوم کے کلام کا نقشِ ثانی پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ آج سے قریباً دس سال قبل کا وہ ولولہ انگیز جذبہ اب تک میرے سینے کی خلوتوں میں ایک ناقابلِ فراموش یاد کی طرح جاگزیں ہے جس نے میری توجہ اس مردِ قلندر کے کلام کی ترتیب کی طرف مبذول کرائی۔ چنانچہ اس وقت اضطراب عجلت میں سلسلہ کے اخبارات، ذاتی یادداشتوں اور بعض اربابِ ذوق کی مدد سے جو کچھ فراہم ہو سکا اس کا ایک مختصر مجموعہ "کلامِ حسن" کے نام سے شائع کر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد ایک طویل عرصہ زندگی کے دیگر ہنگامہ خیز حالات کی نذر ہو گیا۔ لیکن یہ آرزو ہمیشہ میرے دل میں کروٹیں لیتی رہی کہ کسی طرح کلامِ حسن کی ترتیب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس لئے میں حسن صاحب مرحوم کی رُوح سے نہایت ادب سے یہ عرض کر سکتا ہوں ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

نقشِ ثانی میں حسن صاحب مرحوم کا کافی کلام جو مختلف احباب

سے دستیاب ہوا ہے شامل کیا گیا ہے جس سے اس کی ضخامت قریباً دو چند ہو گئی ہے لیکن افسوس ابھی تک اس عظیم شاعر کا بہت سا کلام فراہم نہیں ہو سکا کیونکہ بعض احباب سے میں نے سُنا ہے جو حسنؔ صاحب سے اکثر ملا کرتے اور ان کے کلام سے لُطف اندوز ہوتے تھے کہ ایک دفعہ حسنؔ صاحب نے فرمایا :-

"جو شخص میرا کلام جمع کرنے کا آرزومند ہے اسے قریباً چھ ماہ تک میرے طعام و قیام کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

اس میں کس کو کلام ہے کہ حسنؔ صاحب کو اپنے خاص اندازِ بیان سلاست ، روانی ، بے ساختگی ، دلآویزی اور ساحرانہ اثر آفرینی کے باعث نہ صرف جماعت میں بلکہ دنیائے شاعری میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ فطرتی شاعر تھے اور قدرت نے پوری فیاضی کے ساتھ آپ کو وہ تمام تر صلاحیتیں عطا کی تھیں جو ایک بہترین شاعر کے شاملِ حال ہونی چاہئیں۔ لیکن افسوس نامساعد حالات کے پیشِ نظر زمانہ نے ان کو مہلت نہ دی کہ وہ کما حقہٗ اپنی فطری استعدادوں کو اُجاگر کر پاتے۔ لیکن بہر حال جو کچھ ہمیں سلسلہ کے اخبارات و رسائل ، ذاتی یادداشتوں اور دیگر ذرائع سے دستیاب ہو سکا۔ وہ شاعرانہ نقطہ نظر سے معرکے کے فن پارے ہیں جن سے ان کی شاعری کے حسین خد و خال اور نوک پلک کا تیکھا پن عیاں ہوتا ہے۔

گذشتہ دس پندرہ برس کی شاعری پر ہم اگر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں

تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ خلوصِ بیان شائستگی و متانت اور صداقت سے یکسر عاری ہے البتہ اشعار کی متنوع ہیئت ترکیبی کا ضرور پتہ چلتا ہے۔ کسی نے پُرانے خیالات کو اپنا کر اس میں رنگینی پیدا کرنے کی کوشش کی تو کسی نے ترقی پسند کہلا کر اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کی ایک نئی راہ نکالی لیکن صداقت بیان اور پاکیزگیٔ موضوع کی مستحکم بنیادوں پر شاعری کا رفیع الشان قصر تعمیر کرنے کا کسی کو خیال تک نہ آیا۔ جو صرف اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اشعار کا طرۂ امتیاز ہے یا پھر حضور کی اتّباع کے فیض سے آپ کے مُتبعین کو یہ شرف حاصل ہوا۔

چنانچہ جناب حسنؔ صاحب رہتاسی کا کلام بھی ان تمام تر صفات کا حامل ہے اور اس کے مطالعہ سے ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم گلشنِ احمدیت کی حسین روشوں پر چہل قدمی کرتے ہوئے مختلف اور بوقلموں رنگوں سے آراستہ پھولوں سے اپنے مشامِ جاں کو معطّر کر رہے ہیں جس سے پڑھنے والے کے ذہن میں ارتعاش پیدا ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سچا عشق اور احمدیّت سے حقیقی وابستگی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی رُوح غیر فانی بالیدگی سے ہمکنار ہو کر فرطِ مسرّت سے جھومنے لگتی ہے۔

جناب حسنؔ صاحب رہتاسی چونکہ ایک فطرتی شاعر تھے اور ان کا ہر تارِ نفس لوح اور نغمہ اور شعریت کے حسین سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اس لئے ان کی نمایاں خصوصیّت یہ ہے آپ نے سہل الحصول استعاروں

اور قریب قریب تشبیہوں سے کام لیا ہے اور اکثر اشعار ان کیفیات کا مرقع ہیں جو ان پر وارد ہوئیں اور ان جلوؤں کو بے نقاب کیا ہے جو احمدیت کے رُوح پرور ماحول سے متاثر ہو کر ان کے قلب پر وارد ہوئے ۔ کوئی نظم رباعی یا قطعہ لے لیجئے۔ اس میں ان کا خاص اسلوب بیان ان کی انفرادیت۔ سلاست و روانی بے ساختگی اور پھر گہری گھمبیر اور عالمگیر سچائی کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

مجھے اکثر حسن صاحب سے ملنے اور ان سے تازہ کلام سُننے یا یُوں کہہ لیجئے کہ ان سے تازہ کلام کہلوانے کا شوق دامنگیر رہتا تھا۔ چنانچہ ایک روز نہ معلوم کس سوچ میں وہ بال بکھیرے خراماں خراماں سر جھکائے شہر کی جانب جا رہے تھے کہ میں نے پیچھے سے جا لیا۔ علیک سلیک کے بعد یونہی سوال کر دیا۔ حسن صاحب! آپ نے کسی شعر میں اپنا تعارف نہیں کرایا۔ (اس وقت آپ نے ابھی اپنا حُلیہ نہ لکھا تھا) کوئی ایک منٹ بھی نہ گزرا ہوگا کہ فی البدیہہ کہنے لگے لکھ لو۔

تھینک یو جس کو سبھی اہلِ سخن کہتے ہیں
زندہ باشی جسے مرغانِ چمن کہتے ہیں!
وہ خطا کوش، حنا پوش یہی ہے شاید
عُرفِ عامہ میں جسے لوگ حسن کہتے ہیں

سچ پوچھئے تو میں سراپا استعجاب ہو کر رہ گیا، اور آپ کے کلام کی پُختگی اور اسلوب بیان کی اس نُدرت اور برجستگی پر سر دھننے لگا۔ اسی

طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کو جہاں اُنہوں نے اشعار میں باندھا ہے اس کا جواب ہماری جماعت کے تمام شعراء کے کلام میں بھی نہیں مل سکتا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حصاروں، ریگزاروں، کوہساروں آبشاروں تک
پیاروں، جاں نثاروں، تاجداروں خاکساروں تک
غرض پُورب سے پچھم تک اُدھر اُتر سے تا دکھن
"تیری تبلیغ پہونچاؤں گا دُنیا کے کناروں تک"

کیا سلاست ہے اور کس عمدگی سے موضوع کی پاکیزگی کو قائم رکھتے ہوئے حسین انداز میں نبھایا ہے۔ ایک اور مقام پر حضور کے ایک الہام کو یوں بیان کیا ہے:۔

خدا کی راہ میں دریا صفت بہتے چلے جاؤ
ہر اک رنج والم جور و جفا سہتے چلے جاؤ
کناروں تک زمیں کے گر تمہیں تبلیغ کرنا ہے
"الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ" کہتے چلے جاؤ

پھر جہاں حسن صاحب نے احمدیت کے مسائل کو بیان کیا ہے اور مخالفین کو تبلیغی رنگ میں سمجھایا ہے اس سے آپ کے احمدیت سے متعلق ٹھوس علم کا پتہ چلتا ہے "بند" والی نظم کو لے لیجئے۔ میں سمجھتا ہوں جامعیت اور اختصار کے لحاظ سے کوئی دلائل و براہین سے مرصع مضمون بھی حسن صاحب کی اس نظم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یہ شعر کتنا دل آویز

ہے کہ ؎

ان سادہ مزاجوں سے کوئی اتنا تو پوچھے
فیضانِ خداوندی بھی ہوتے ہیں کبھی بند

العرض حسنؔ رہتاسی کا کلام ان تمام خصوصیات کا بہترین آئینہ دار ہے جو ایک فطرتی شاعر کا طرۂ امتیاز ہوتی ہیں۔ جناب حسنؔ صاحب رہتاسی کے مفصّل سوانح حیات تو زیرِ ترتیب مجموعہ میں ہی چھپ سکیں گے اس جگہ صرف اس قدر بیان ہی کافی ہے کہ آپ کا پورا نام منشی حسن دین صاحب رہتاسی تھا۔ نام کی مناسبت سے حسنؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ کی عمر قریباً ستر سال تھی۔ آپ صحابی تھے اور موصی بھی۔ آپ کے والد کا نام گرامی منشی گلاب دین تھا جو خود صحابی اور بلند پایہ شاعر تھے چنانچہ سلسلہ کے اخبارات میں آپ کے کلام کے نقوش اکثر ملتے ہیں۔

ملکی بٹوارے کے بعد آپ جہلم مقیم رہے۔ ربوہ میں اکثر آیا کرتے تھے اور ایک روز وہ گھڑی بھی آ پہنچی جس سے کسی کو مفر نہیں اور آپ کو محبوبِ حقیقی کے دربار حاضر ہونا پڑا۔ چنانچہ یہ سادگی کا پیکر، حضرت مسیح موعودؑ کا عاشق اور احمدیت کا فدائی اپنی فقیرانہ حالت میں بمقام لائلپور ایک مختصر سی علالت کے بعد ۵۱ء میں اپنے حقیقی مولا کو جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہماری دعا ہے کہ احمدیت کا یہ سچا ترجمان جو آج ہماری نظروں سے اوجھل شہر خموشاں کی اُداس تنہائیوں میں پڑا سو رہا ہے خدا اسے احمدیت کی اس خدمت کے طفیل جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے آمین۔ بالآخر اربابِ ذوق سے درخواست ہے کہ اگر کسی دوست کے پاس ان مطبوعہ اشعار کے علاوہ کوئی مزید کلام ہو تو ہمیں ارسال فرما دیں تاکہ آئندہ شاملِ اشاعت کر دیا جائے۔ دُعائی التجا کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر ایم این ریاض

حسنؔ رہتاسی

نحیف و ناتواں لاغر بدن معلوم ہوتا ہے
اسیرِ پنجۂ رنج و محن معلوم ہوتا ہے

کبھی آوارہ گردی اور کبھی صحرا نوردی سے
بروزِ قیسؔ۔ ظلِّ کوہ کن معلوم ہوتا ہے

زبانِ حال سے کہتی ہے اس کے تن کی عریانی
کوئی نادار محتاج کفن معلوم ہوتا ہے

شبِ تاریک عصیاں ہیں نہاں ہر چند ہے لیکن
سیاہ کمبل کے اندر بھی مگن معلوم ہوتا ہے

اگرچہ تلخ گوئی میں جواب اپنا نہیں رکھتا
مگر اسٹیج پر شیریں سخن معلوم ہوتا ہے

دلوں کے راز سے واقف خدا کی ذات ہے لیکن
زبانوں پر ہے چرچا اہلِ فن معلوم ہوتا ہے

کوئی ہشیار دیوانہ ہے یا بیمار پروانہ
بہر صورت عزیزِ انجمن معلوم ہوتا ہے

خدا جانے کہاں تک سچ ہے اکثر لوگ کہتے ہیں
کہ شعر اس کا بہم قند و لبن معلوم ہوتا ہے

زبانِ مومن و مشرک پہ اتنا ذکر ہے اس کا
کہ وردِ شیخ شبدِ برہمن معلوم ہوتا ہے
کوئی ساغر شکن کہتا ہے اور توبہ شکن کوئی
یہ رندِ پارسا ہر دو شکن معلوم ہوتا ہے
امیر المؤمنین کی مہربانی اور شفقت سے
عزیزِ خاطرِ اہلِ سخن معلوم ہوتا ہے
نہ خواہش مندِ یارِ سیمتن معلوم ہوتا ہے
نہ مشتاقِ نگارِ گلبدن معلوم ہوتا ہے
ہوا خواہِ بتِ غنچہ دہن معلوم ہوتا ہے
نہ یہ تشنہ لبِ چاہِ ذقن معلوم ہوتا ہے
اگر معلوم ہوتا ہے تو بس اتنا کہ یہ ناداں
یکے از زمرۂ اہلِ سخن معلوم ہوتا ہے
بتوں سے اس کو نفرت ہے کہ ہے محمود کا خادم
عقیدے اور عمل سے بت شکن معلوم ہوتا ہے
زباں پر تو انا الحق ہے مگر دل میں انا الباطل
جبھی منصور بے دار و رسن معلوم ہوتا ہے
کچھ ایسا بے حس و حرکت کیا ہے اک مصیبت نے
درونِ گور بیرونِ کفن معلوم ہوتا ہے
خدا کی شان جو گھر گل گلابستان تھا وہ بھی
خزاں کے ہاتھ سے اجڑا چمن معلوم ہوتا ہے
سنی جب داستانِ غم تو نکتہ رس پکار اٹھے
[illegible]

حمدِ الٰہی

الحمد ہے زیبا تجھے اے صانعِ اکبر — ہر چیز میں ہے صنعتِ کامل تری مضمر
ممکن ہی نہیں دیکھ کے کیفیتِ عالم — صنعت تری محصور ہو ادراک کے اندر
دن رات کی ترتیب مکمل ہی کو دیکھو — ہر ایک کی آمد کا ہے اک وقت مقرر
پھر غور سے سوچو اسی ترتیب کے ہمیشہ — ہوتے ہیں کم و بیش کبھی دونوں برابر
خورشید و قمر صاف یہ دیتے ہیں گواہی — کر رکھا ہے ان کو کسی طاقت نے مسخر
ہر ایک کے جلوے کے لئے ساعتِ مخصوص — آسکتا ہے اس سے نہ مقدم نہ موخر
اک دوسرے سے صورت و سیرت میں جدا ہے — یہ مشعلِ تاباں ہے وہ قندیلِ منور
صنعت میں تری دخل اگر غیر کا ہوتا — رہ سکتا نہ مخلوق میں تفریق کا جوہر
یہ تیری ہی قدرت کے کمالات ہیں مولیٰ — ہر شکل جدا ہے وہی قالب وہی عنصر
صورت میں جدا رہتے ہیں اک باپ کے بچے — گو ایک پدر ہوتا ہے اور ایک ہی مادر
شیرازۂ عالم کوئی دم میں ابھی وا ہو — گر ہو نہ نظام اس کا ترے ہاتھ کے اندر
جز تیرے کوئی دوسرا معبود نہ پایا — ہر شاہ و گدا ناصیہ فرسا ترے در پر
القصہ کہاں تک تیری قدرت کا بیاں ہو — تا حشر بھی لکھوں تو نہ ہو ختم یہ دفتر

سرورِ کائنات

جب مانا تری ذات کو لاثانی و یکتا
مانیں گے نہ ہرگز ترے محبوب کا ہمسر

گو ملک میں ہو شاہِ سلیماں سے زیادہ
اور عمر میں ہو نوح پیمبر سے معمّر

یا حسن میں ہو یوسفِ کنعان سے خوشتر
دیدارِ الٰہی میں ہو موسیٰ سے فزوں تر

خوش لحن تو ہو حضرتِ داؤد سے دہ چند
اور حکمت و دانش میں ہو لقمان کے برابر

پہنچا ہو وراثت میں اسے چشمۂ حیواں
اور راہِ طریقت میں بھی ہو خضر کا رہبر

کوڑھی کو بھی چنگا کرے اندھے کو شفا دے
اور ہیئتِ طائر بھی دکھا دیوے اُڑا کر

اعجاز میں یاں تک ہو کہ مُردے بھی جِلا دے
مصنوعیِ خداوند کے اک پاؤں کی ٹھوکر

قُم اس کا نہ مانوں قُمِ احمدؐ کے مساوی
گر دُنیا کے مُردوں کو کرے زندہ وہ یکسر

ہے سروِ سہی باغِ رسالت کا محمدؐ
گو اور بھی اس باغ میں ہیں سرو و صنوبر

کیا نام مقدس ہے محمدؐ کہ یکایک
ہے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ جاری زباں پر

اے صدرِ نبوت تری تعظیم کے پیچھے
مکّہ ہے معظّم تو مدینہ ہے منوّر

ہے رُوئے منوّر ترا والشمس کی تشریح
واللیل کی تفسیر تری زلفِ معنبر

ایک ایک نمونہ ترے اعجازِ مبیں کا
صدیقؓ تھا، فاروقؓ تھا عثمانؓ تھا حیدرؓ

صحیفۂ فطرت

کہتے ہیں جسے بادۂ خُمِ خانۂ قدرت
یعنی مئے عرفاں کا چھلکتا ہوا ساغر

کافور سب امراض ہوں پی لینے سے جس کے
اللہ نے بخشا تجھے توحید کا جوہر

وہ جوہرِ توحیدِ خداوند ہے قرآں
سب کُتبِ سماوی کا ہوا خاتمہ جس پر

دیکھو تو ذرا غور سے اب دُنیا میں نمرہ
توریت نہ انجیل نہ ہی وید نہ شاستر

قرآن میں جو کچھ تجھے پیغام ملا تھا
تو نے اسی پیغام کو پہنچا دیا گھر گھر

تبلیغ کی جو شرط تھی وہ خوب ادا کی
اور چھوڑ دیا کام کو آئندہ خدا پر

توحید کے پیاسوں کے لئے بعد بھی تیرے
جاری ہے ابد تک ترے فیضان کا کوثر

جو متبع تیرا ہے وہ کوثر کا ہے وارث
اور تیرے مخالف کو خدا کہتا ہے ابتر

اپنا تو عقیدہ ہے حسنؔ برسرِ اجلاس
سُنتے ہیں یہاں پیر و جواں اصغر و اکبر

کل دُنیا کے اقوال ترے قول کے نیچے
اور قولِ خداوند ترے قول کے اُوپر

خدا ہوتا ہے

حد کے اندر ہو اگر درد بُرا ہوتا ہے
حد سے گذرے تو یہی درد دوا ہوتا ہے

کشتیاں سب کی کنارے پہ پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جس کا نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے

محبوبِ خدا

سرِ عرشِ بریں جونہی شہِ ہر دو سرا پہنچے
فضا گونجی خدا کے پاس محبوبِ خدا پہنچے

ملائک حور و غلماں وجد میں ایسے ہوئے بیخود
اُچھلتے، کودتے پڑھتے ہوئے صلِّ علیٰ پہنچے

مقامِ ارفع و اعلیٰ پہ اکثر انبیاء پہنچے
نہ پہنچا کوئی تم اس حد پر جہاں خیر الوریٰ پہنچے

سرِ سینا بصد مشکل پہنچ کر تھک گئے موسیٰ
سرِ عرشِ علا لیکن محمدؐ مصطفیٰ پہنچے

مسیحا پھر نہ لوٹے پر سوارِ توسنِ اسریٰ؟
شباشب عرش سے ہو کر درِ دولت پہ آ پہنچے

جہاں وہمِ ملائک نے گمانِ انبیاء پہنچے
وہاں برقِ جہاں بن کر بُراقِ مصطفیٰ پہنچے

نہ برق و باد ہی پہنچے نہ ساون کی گھٹا پہنچے
براقِ مصطفیٰؐ کی جس جگہ پر گردِ پا پہنچے

جہاں غلمانِ احمدؐ کی نگاہِ دلربا پہنچے
دمِ عیسیٰ وہاں پہنچے نہ موسیٰ کا عصا پہنچے

کوئی زر دے کے پہنچا اور کوئی گھر دے کے جنّت میں
جو وقت آیا تو جاں دے کر بھی خاصانِ خدا پہنچے

وہ تاجِ قیصر و کسریٰ وہ کرّ و فرِّ شاہانہ
ہوا سب کچھ فنا۔ جونہی محمدؐ کے گدا پہنچے

پہنچنا اُن کا احسن ہے جو پہنچے کامرانی سے
پھرے ناکام جو واپس وہ پہنچے بھی تو کیا پہنچے

خدا کو چھوڑ تکیہ ناخدا پر کیوں کرے کوئی
لبِ ساحل پہ کشتی کے سوا جب باخدا پہنچے

درِ جاناں پہ جانے کو کھُلے تھے مختلف کوچے
مقدّر تھا پہنچنا جن کا ان کوچوں سے جا پہنچے

بجز اسلام لیکن ہو چکیں مسدود سب راہیں
نہیں ممکن کہ اب کوئی بھی اس راہ کے سوا پہنچے

نہ پہنچا کوئی ان راہوں سے پر اس راہ سے دیکھو
ہزاروں بلکہ لاکھوں اولیاء و اصفیا پہنچے

نہ ہو باور جسے وہ کاش دیکھے اس زمانے میں
مسیح و مہدیِ دوراں ہمارے میرزا پہنچے

کہاں ہم اور کہاں بزمِ محمدؐ بس غنیمت ہے
کہ اُٹھتے بیٹھتے، گرتے سنبھلتے ہم بھی آ پہنچے

یہ کہہ دیجو گنہ گارانِ اُمّت میں حسنؔ بھی ہے
اگر کوئے محمدؐ میں تو اے بادِ صبا پہنچے

چراغِ آمنہ

پس از حمدِ خدا نعتِ جنابِ مصطفےٰ کہیئے
بھری مجلس میں اوصافِ حبیبِ کبریا کہیئے
مگر یہ شرط لازم ہے کہ ہر اک شعر پہ مرے
دُعا کرتے ہوئے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کہیئے
جسے بدرالدجیٰ کہیئے جسے شمس الضحیٰ کہیئے
غلط ہوگا مگر ایسے خوبرو کو مہ لقا کہیئے
خلافِ عقل و دانش ہے کہ آدم کو خدا کہیئے
بعید از آدمیت ہے جو بالکل ہی جُدا کہیئے
چراغِ آمنہ یا شمعِ تابانِ حِرا کہیئے
نویدِ ابنِ مریم ابنِ آذر کی دُعا کہیئے
جو ملجائے مساکین اور ماوائے سلاطین ہو
خدا لگتی کوئی کہہ دے کہ اس محسن کو کیا کہیئے
تیری تصویر کے دونوں ہی رُخ روشن سے روشن ہیں
محمد مصطفےٰ کہیئے کہ احمد مجتبیٰ کہیئے

اگر کہیئے یمِ ذخّارِ ذاتِ حق تعالےٰ کو
تیری اُمّت کو کشتی اور تجھ کو ناخدا کہیئے
حسنؔ اس پختہ سالی میں ترے اشعار نا پُختہ
تُم ہی کہہ دو مناسب ہے؟ کہ ان کو دلربا کہیئے

خورشیدِ نبوّت

"جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظُلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
شمارِ یُوسفِ مصری تھا مانا مہ جبینوں میں
کہاں پہنچے تجھے بزمِ نبوّت کے حسینوں میں
تمہاری قوّتِ قدسی نے وحشت کو مٹا ڈالا
وگرنہ تھے درندآباد صحراؤں مدینوں میں
ترے درسِ اخوّت نے کئے دو قالب و یکجاں
وہ جن کے روز و شب کٹتے چلے آتے تھے کینوں میں
نہ ٹھیری جب ہوئی دوچار خورشیدِ رسالت سے
جو ظُلمت مدّتوں کی تھی مکانوں اور مکینوں میں
دیانت نے جوابِ حضرتِ والا نہیں دیکھا
امانت نے نہ پایا آپ کا ثانی امینوں میں

الوہیّت کی نفی کا جب بدل تھا تحفۂ کوثر
تو پھر کیونکر نہ ہو خاتم نبوّت آفرینوں میں
وہ کیا جانیں جنابِ مصطفیٰ کی شان کو جن کے
جہالت سینوں میں ہو ئے جہالت ہو پسینوں میں
کہاں ہیں مدعیِ حُبّ احمدؐ سامنے آئیں
سمجھتے ہیں جو اپنے آپ کو باریک بینوں میں
پڑا ہو آمنہ کا لالؐ یثرب کی زمینوں میں
مگر مریم کا ہو نورِ نظر گردوں نشینوں میں
ہوئے ایسے غبی، کم فہم، کم حِس، کم خرد، کم دِل
جو کل تک فرد تھے اقوامِ عالم کے ذہینوں میں
برائے نام دعویٰ ہے انہیں اسلام کا ورنہ
نہیں کچھ فرق اِن میں گنگا دینوں مانا دینوں میں
نہ کچھ ایثار کا جذبہ نہ باقی رُوحِ قربانی
نہ آثارِ سعادت ہی عیاں اُن کی جبینوں میں
نشاناتِ سماوی پر تمسخر اور استہزاء
پھر اس پر دعوئ باطل کہ ہم بھی ہیں متینوں میں
مسلماں ہو کے پھر ایذاء رسانی جن کا شیوہ ہو
یہ ہیں وہ سانپ رہتے ہیں جو پنہاں آستینوں میں

بظاہر ہیں ملائم تر مگر اندر سے سنگیں دل
پلنگانِ درندہ صوفیانہ پوستینوں میں
کفن باندھے ہوئے سر سے جہادِ دین کی خاطر
مگر جب وقت آجائے تو ہیں عزلت گزینوں میں
پیامِ صُلح کی تہہ میں یہ کینہ تو زیاں واعظ
ستم ہے یوں ملا کر زہر دینا انگبینوں میں
"محبت کے لئے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں"
ہے مذہب اُن سے زندہ اور وہ مذہب سے زندہ ہیں
لہو قلب و جگر کا جو بہاتے ہیں پسینوں میں
خدا کے برگزیدوں کو بُرا کہنا مجھے ڈر ہے
کہیں یہ خُوئے بد اُن کو نہ ٹھیرائے کمینوں میں
سُوئے درگاہِ مولیٰ راہ ہرگز پا نہیں سکتے
مئے نخوت جو پیتے ہیں خودی کے ساگینوں میں
سمجھ بیٹھے ہیں اپنے آپ کو نعم البدل لیکن
اگر پالا پڑے اُن سے تو ہیں مُبّس المقرینوں میں
ہلا سکتے نہیں مٹھی چنے بھی زورِ بازو سے
تمنائیں مگر اُلجھی ہوئی خستہ پٹینوں میں

شغف ہے ناولوں سے عار اخلاقی کتابوں سے
تمیز اُن کو نہیں کچھ سنگریزوں اور نگینوں میں
کلام اللہ کے پڑھنے اور سننے سے کنارہ کش
کُھبے جاتے ہیں اخباروں، رسالوں میگزینوں میں
ذرا تعلیم میں دیکھو تو اُن کی تیز رفتاری
اگر اے، بی پڑھیں ہفتوں میں تو سی ڈی مہینوں میں
تدبر فہم علم و عقلِ یورپ تو نہیں سیکھا
مگر کرزن نما بن کر گھسے ہیں یورپینوں میں
حریف لنگ اک مدت کے پہنچے بامِ رفعت پر
مگر یہ تیز رو بانکے جواں اب تک ہیں زینوں میں
نہ دینداروں کے حلقے میں نہ بے دینوں کے زمرہ میں
نہ داخل سخت جانوں میں کہ شامل نازنینوں میں
پہنچنا ہو خدا تک تو رہِ اسلام سے جاؤ!
یہی اک دین مقبولِ خدا سارے دینوں میں
وہ اسلام حقیقی آج راہِ احمدیت ہے
سیاقوں اور سباقوں میں قیاسوں اور قرینوں میں
شمار اپنا جو ہو جائے غنیمت بس غنیمت ہے
محمدؐ کے غلاموں، خاکساروں کمترینوں میں

بشر تھوڑے ہیں دنیا میں ہنر کے دیکھنے والے
زیادہ تر ملیں گے حرف گیر و عیب چینوں میں
ہر اک کو رشتۂ اُلفت میں باندھا جس طرح چاہا
کوئی تھا بادیہ پیما کوئی محمل نشینوں میں
کسی کی انتہا دنیا کسی کی ابتداء عقبیٰ
کوئی نزدیک بینوں میں کوئی تھا دور بینوں میں
کسی کو ناز دولت پر کسی کو زُہد و تقویٰ پر
حسنؔ تم کون بیچارے نہ تیرہ میں نہ تینوں میں

عابدِ مخلص

زاہد کی عمر گذری تمنائے حور میں
واعظ کی ہے نگاہ شراب طہور میں
ہم مانتے ہیں عابدِ مخلص ترا اُسے
تیرے لئے جو آیا ہو تیرے حضور میں

"محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے"

دوائے دردِ دل حمدِ خدا ہے   غذائے روح نعتِ مصطفےٰ ہے
اِدھر آ ڈھونڈنے والے اِدھر آ   اگر تجھ کو تلاشِ کیمیا ہے
حضورِ دل سے نعتِ مصطفےٰ سن   کہ یہ نسخہ کیمیا سے بھی سوا ہے
وہ جس کی شان میں بدرُ الدجیٰ ہے   یہی بدرُ الدجیٰ شمسُ الضحیٰ ہے
وہ جس کی ابتدا بلغ العُلیٰ ہے   وہ جس کی انتہا صلِّ علیٰ ہے
شہِ کونین کی محفل بپا ہے   کہ فردوسِ بریں کا در کھلا ہے
ہر اک دل آج یاں شوقِ آشنا ہے   کہ ذکرِ سیرتِ خیرُ الوریٰ ہے
دل اپنا تو گذرگاہِ خدا ہے   رہی جاں سو فدائے مصطفےٰ ہے
یہ دو ہی کام کی چیزیں تھیں ورنہ   تنِ بے جان و دل کس کام کا ہے
انہی دونوں سے تھا آباد ورنہ   بغیر اس کے یہ گھر اُجڑا ہوا ہے
مسلّم ہے کہ بحرِ زندگی میں   ہر اک کشتی کا کوئی ناخدا ہے
بہت تھے ناخدا پر سب سے بڑھ کر   محمدؐ ناخدائے باخدا ہے
فدائت جانِ من اے جانِ عالم   کھڑا در پہ گدائے بے نوا ہے
نہ تابِ وصل نے یارائے فرقت   یہی وہ درد ہے جو لا دوا ہے
تیری ذرّہ نوازی کے میں قرباں   کہ مدّاحوں میں مجھ کو لے لیا ہے
کہاں میں اور کہاں مدحِ معلّیٰ   کیا پیدا [illegible] پھر اس کا شور با ہے

شہنشاہوں کے لب پر یہ دعا ہے   فقیروں کی زباں پر یہ صدا ہے
خدا کے بعد سب سے جو بڑا ہے   وہ سیّدنا محمد مصطفےٰ ہے
حسن بھی پیچھے پیچھے کہہ رہا ہے
محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
شتربانوں کو بخشی ملک بانی   تری سرکار کا رتبہ بڑا ہے
ملا جو خود بدولت کو حرا سے   وہ کب موسےٰ کو سینا پر ملا ہے
دعا تیری حیاتِ جاودانی   مخالف ہو تو پھر تیرِ قضا ہے
کسی کو انتظارِ ابنِ مریم   کسی کی آنکھ سوئے ایلیا ہے
تیری غیرت نے غیروں کی حکومت   تری امت پہ سمجھی ناروا ہے
فلک پر آنے والوں کو تو روکا   ہمیں اپنا مسیحا دے دیا ہے
گدائے بر درت میدوزمے گفت
"محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے"
جو تھا ختمِ نبوت کا معمّہ   نبوت نے تری حل کر دیا ہے
نہ ہوگی منقطع تیری نبوت   یہی مفہوم ختمُ الانبیاء ہے
ترا دشمن ہے ابتر تو نہیں ہے   بشارت میں تجھے کوثر ملا ہے
فدائے حور و غلمان جانِ زاہد
"محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے"

زمانہ وہ جو تھا نا آشنا محض   بحمد اللہ کہ اب کچھ آشنا ہے
خوشا وقتے سحر کا بھولا گھر کو   بوقتِ شام واپس آ رہا ہے
گئے وہ شوکتِ باطل کے ایام   کہ عہدِ غلبۂ حق آ گیا ہے
ترے نقشِ قدم اب کہہ رہے ہیں   "ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے"
اثر کیا ہم پہ حاسد کے حسد کا   کہ گھر اپنی جدا خانہ جدا ہے
ضیائے نورِ دیں کی ہی بدولت   ہر اک ظلمت کدہ بیتُ الضّیا ہے
ایازوں کو کیا محمود تو نے   مگر محمود اک بردہ ترا ہے
ترا محمود ہو کتنا ہی چھوٹا   ایازوں سے مگر پھر بھی بڑا ہے
بڑائی کے لئے ہے اِتّقا شرط   ترے نائب نے کیا اچھا کیا ہے
ہر اک نیکی کی جڑ یہ اِتّقاء ہے   اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

نکل جاتا ہے منہ سے بے تکلّف
"محمّد پر ہماری جاں فدا ہے"

سخنور ہوں نہ دعوئے سخن ہے   نہ کچھ فخرِ ردیف و قافیہ ہے
نہ شعریت نہ جدّت نے تخیّل   نہ انداز بیاں ہی دلربا ہے
نہ مشّاقِ مفاعیلن مفاعیل   کہ یہ گردانِ سنگِ آسیا ہے
نہ اس فن میں تلمّذ ہے بشر سے   یہ جوہر مجھ کو رحماں نے دیا ہے
متاعِ کم بہا یا جنسِ ناقص   جو حاضر تھا سو حاضر کر دیا ہے
اگر ہیں خاکِ پا افرادِ امّت   حسنؔ تیرا غبارِ خاکِ پا ہے

ہمیں کیوں ہو تردّد یا تامّل   کہ جب فضل عمرؓ نے کہہ دیا ہے

"محمدؐ پر ہماری جان فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے"

تھینک یو

خدا کی حمد کہیئے سُو بسُو و کو بکو کہیئے
نبی کی نعت کہیئے ہو بہو و مُو بمُو کہیئے
حسنؔ کی نظم سُن کر داد دینی ہو تو یوں دیجئے
کہ دلیں تو دُعا کیجئے زباں سے تھینک یو کہیئے

خدا تعالیٰ

خالق الارض والسماء ہے تو
خالقُ الحَبّ والنّوا ہے تو
نام ہیں مختلف حقیقت ایک
گاڈ و یزداں ہے اور خدا ہے تو

آفتاب رسالت کا طلوع

سرورِ طبیعت ترے نام سے ہے　　تعلق نہ ساقی سے نے جام سے ہے
غرض کچھ مئے آتشیں خام سے ہے　　نہ وصل و فراقِ گل اندام سے ہے
کہ فانی گلستاں کی سب رنگ و بو ہے
ہمیشہ سے ہے جس میں باقی وہ تو ہے

ترا فیض جاری ہے یاں عام سب پر　　شب و روز گردش میں ہے جام سب پر
شجر پر حجر پر در و بام سب پر　　نکو نام ہو یا ہو بدنام سب پر
موحد نے گر ایک لقمہ اٹھایا
تو مشرک نے ہے خوانِ یغما اڑایا

شجاعوں کے دل میں جسارت ہے تجھ سے　　امیروں کی قائم امارت ہے تجھ سے
تنِ زندگی میں حرارت ہے تجھ سے　　یہ کثرت میں وحدت عبارت ہے تجھ سے
تصرف میں تیرے ہر اک خیر و شر ہے
یہی تیری توحید المختصر ہے

ہمارا بھی تکیہ تری ذات پر ہے　　نہ زہد و ورع اور نہ طاعت پہ ہے
نہ کچھ حسنِ اخلاق و عادات ہی ہے　　اگر ہے تو تیری عنایات پر ہے
تو اک جلوہ قدرت کا اپنی دکھا دے
محمدؐ کی محفل کی شوکت بڑھا دے

ہمیں تو نے توفیق بخشی تو آئے　　یہاں تیری رحمت نے جب دل بڑھائے
اور آتے ہوئے ماحضر ساتھ لائے　　کہ بزمِ محمدؐ میں جو رزق پائے
غذا جتنی چاہے وہ بے فکر سے کھالے
لگے پیاس تو پانی دریا پلا دے

رہے بخت و دولت یہ بزم بنی ہے　　جو آقائے شاہ و گدا و غنی ہے
حکایت بھی ایسی بیاں ہو رہی ہے　　کہ دل کی شگفتہ خوشی سے کلی ہے
جو یاں آ گئے ہیں وہ مسرور ہوں گے
علاوہ ازیں حق سے ماجور ہوں گے

کچھ آتے ہوئے راہ میں رک گئے ہیں　　غبارِ ترددِ جاہ میں رک گئے ہیں
اتر کوہ سے کاہ میں رک گئے ہیں　　کچھ ایسے گرے چاہ میں رک گئے ہیں
کریں کیا بچارے یہ معذور ہیں یہ
زمانے کے ہاتھوں سے مجبور ہیں یہ

یہی وعظ ہے ان دنوں مسجدوں میں　　ہے تلقین سب کی یہی معبدوں میں
یہی شغل رندوں کا ہے میکدوں میں　　یہ تحریک جاری ہے نیکوں بدوں میں
کہ کوئی بھی بزمِ نبی میں نہ جائے
بپا ہونے محفل یہ ہرگز نہ پائے

لبِ آبِ جہلم یہ محفل بپا ہے　　ہر اک دل یہاں آج شوق آشنا ہے
کہ مضموں مرا سیرتِ مصطفیٰ ہے　　بس اے مرے مولا مری یہ دعا ہے

بھروسہ کئے تیرے لطف و کرم پر
چلا جاؤں حالی کے نقشِ قدم پر

خیالات میں وہ نزاکت عطا ہو　　حقیقت پر مبنی مگر دل ربا ہو
نہ بلبل کا شکوہ نہ گل کا گلا ہو　　متانت سے یوں نفسِ مضمون ادا ہو
کہ تحسیں کہیں سن کے یار آشنا سب
ملائک بھی بول اٹھیں صلِ علیٰ سب

اندھیرا تھا جب ساری دنیا پہ چھایا　　جہالت نے طوفان تھا اک اٹھایا
بشر نے تھا فطرت کو اپنی بھلایا　　سجھائی نہ دیتا تھا اپنا پرایا
حکومت تھی ظلمت کی ہر خشک و تر میں
تو فرماں مفاسد کا تھا بحر و بر میں

نہ پورب کی محبوب کوئی ادا تھی　　نہ پچھم کے ہاتھوں میں تازہ حنا تھی
نہ اُتّر میں کچھ دردِ دل کی دوا تھی　　نہ دکن کی آب و ہوا دل کشا تھی
نہ محفل نہ ساقی نہ صہبا تھی باقی
نہ محمل نہ ناقہ نہ لیلیٰ تھی باقی

نہ فانوسِ جاپاں میں پیدا ضیا تھی　　نہ آئینۂ چیں میں کچھ جلا رہی تھی
نہ قانونِ یوناں میں باقی شفا تھی　　نہ ایراں کی آتش میں گرمی ذرا تھی
مٹا علم و حکمت کا نام و نشاں تھا
وجودِ جہاں ہر عدم کا گماں تھا

عرب جو فقط اک جرائم کا گھر تھا　　جسے خوفِ دنیا نہ عقبیٰ کا ڈر تھا
اوامر کی تعظیم سے بے خبر تھا　　نواہی کی تکریم میں نامور تھا
بتوں کی پرستش تو محبوب تر تھی
خدا کی طلب ایک معیوب تر تھی

نہ تھی اُن کے دل میں بزرگوں کی عظمت　　نہ چھوٹوں سے کچھ راہ و رسمِ محبت
سوارِ جہانگیر رہوارِ وحشت　　نہیں جانتے تھے ہے کیا آدمیت
گریبانِ عفت میں تھا تار نہ باقی
نہ عصمت کے چادر کے آثار باقی

خدا کا وہ گھر جس کو سب جانتے ہیں　　زمیں کی اسے ناف سب مانتے ہیں
سپید و سیاہ سارے پہچانتے ہیں　　مسلماں جسے قبلہ گردانتے ہیں
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

زبانوں پہ جاری تھا چرچا بتوں کا　　دلوں پر مسلط تھا سکہ بتوں کا
یہاں تک مسلم تھا درجہ بتوں کا　　خدا کے بھی گھر پر تھا قبضہ بتوں کا
نہ دو چار چھ سات یا آٹھ تھے وہ
ہے کعبہ گواہ تین سو ساٹھ تھے وہ

کہ ناگاہ افق میں چڑھا مہرِ انور　　وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر
اجالا کیا جس نے ہر بحر و بر پر　　اندھیروں کے اندر چھپے بوم و شپر

گئی ظلمتِ شب ہوا روزِ روشن
چھُٹا دستِ لیلیٰ سے مجنوں کا دامن

نہ مقصود تھا اس کا فیضاں نسب تک   نہ محدود و مسدود و صحن عرب تک
تھا پھیلا ہوا روم و شام و حلب تک   ہے گا یونہی جیسے پاتے ہو اب تک

جہاں میں وہی ہیں پیمبر کے وارث
خدا نے کیا جس کو کوثر کا وارث

وہ خورشید ایران و توراں میں چمکا   عرب و عجم چین و جاپاں میں چمکا
تر و خشک پر کوہ و میداں میں چمکا   گلستاں میں ریگ و بیاباں میں چمکا

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

نہ آتا اگر حق سے قرآن لے کر   اوامر نواہی کا دیوان لے کر
دکھوں اور دردوں کا درماں لے کر   بدی اور نیکی کی میزان لے کر

حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

خدا نے جو دی اس کو نعمت تھی کامل   عطاء کی اسے جو نبوت تھی کامل
شریعت تھی کامل طریقت تھی کامل   ملی جس قدر اس کو دولت تھی کامل

خداداد نعمت کی تعمیم کردی
جو دولت ملی سب کو تقسیم کردی

محبت کی آپس میں تدبیر کردی   بڑھے جس سے اُلفت وہ تقریر کردی
دلوں کی مطہر نے تطہیر کردی   ہر اک قوم باہم شکر شیر کردی

جو مدت کے بچھڑے تھے ان کو ملایا
نئے سر سے بھائی کو بھائی بنایا

قبائل کی معقول تنظیم کردی   ترقی کی راہ ان کو تعلیم کردی
تنزل سے بچنے کی تقسیم کردی   کتابِ تمدن میں ترمیم کردی

"رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر کر دیا رُخ ہوا کا"

سبق ان کو توحیدِ حق کا پڑھایا   بتوں کی غلامی سے یکسر چھڑایا
عبادت کا سچا طریقہ سکھایا   بہت دن کے سوئے ہوؤں کو جگایا

جو ناقص تھے کل آج کامل ہوئے وہ
خدا کی عنایت کے حامل ہوئے وہ

بہت اس کے احساں سلاطین پر ہیں   یتامیٰ، ایامیٰ مساکین پر ہیں
بہت اس کے احساں خواتین پر ہیں   فرامین و قانون آئین پر ہیں

بُرا ایسے محسن کو کہنا بُرا ہے
سنبھل جاؤ نزدیکِ وقتِ جزا ہے

بزرگوں کو ناحق بُرا یاد کرنا   ہے اپنی شرافت کو برباد کرنا
خدا کے پیاروں پہ بیداد کرنا   جو بگڑے گئے پھر نہ فریاد کرنا

اگر مان لوگے جزا پاؤ گے تم
نہیں تو کئے کی سزا پاؤ گے تم
جو تیر اُن کا نکلا کمانِ فلک سے   بشر سے رُکے گا نہ جنّ و ملک سے

طلبگارِ رحمت

مجھے کہتے ہیں عاصی تجھ کو قدّوس
کہ میں بندہ ہوں تو میرا خدا ہے
یہ مانا! ہیں جرائم میرے بے حد
تری رحمت بھی تو بے انتہا ہے

نورِ خدا

ارض و سما کا نورِ خدا کا ظہور ہے
جس پر یہ پورا چکا۔ محمدؐ وہ طور ہے
اس طور سے جو دُور ہے چھوٹا ہو یا بڑا
وہ ہے خدا سے دُور خدا اس سے دُور ہے

توحید اور ساقیٔ کوثر

جس قدر اے برہمن بُت ترے بُت خانوں میں ہیں
تار گنتی کے ہی اب اُن کے گریبانوں میں ہیں
قید سے آزاد کر اِن کو کہ ہیں یہ بے خطاء
اور پھر بے آب و دانہ بند زندانوں میں ہیں
خود بتوں سے پُوچھ کہتے ہیں زبانِ حال سے
چاہنے والے ہمارے سخت نادانوں میں ہیں
بُت کی پُوجا اب کہاں جب عہدِ توحید آچکا
شرک و بدعت اب تو کوئی دم کے مہمانوں میں ہیں
وقت کو پہچان اے نادان اگر ہے کچھ شعور
یہ انوکھی پھر سُریں مُطرب تری تانوں میں ہیں
چھوڑ کر زندہ خدا مُردہ پرستی کی ہوس
اِس تنزّل پر بشر کے مرثیہ خانوں میں ہیں
ابنِ مریم کا کفارہ عقدۂ تثلیث بھی
خود تراشیدہ عقائد تیرے دیوانوں میں ہیں
ایک سے جب دو ہوئے تب لطفِ یکتائی کہاں
تین کو پھر ایک مانیں گے جو دیوانوں میں ہیں

ایک ہو کر تین ہوں اور تین ہو کر ایک بھی
اس ریاضی پر ریاضی دان حیرانوں میں ہیں

گر مئے توحید کے شیشوں کی دل میں ہے لگن
ایسے شیشے ساقیٔ کوثر کے خمخانوں میں ہیں

وہ یتیمِ کس مپرس وہ رونقِ غارِ حرا
حاملانِ عرشِ اعظم جس کے دربانوں میں ہیں

انتظارِ فصلِ گُل نے خدشۂ دورِ خزاں
خوشنما منظر ہمیشہ جس کے بستانوں میں ہیں

"یا نبی اللہ توئی خورشید راہ ہائے ھُدیٰ"
ورنہ ہم گم کردہ راہ ظلمت کے ویرانوں میں ہیں

حسنِ یوسف اور یدِ موسےٰ دمِ عیسےٰ کو ہم
آج بھی موجود پاتے تیرے غلمانوں میں ہیں

صحابہ کرام:- تاجدارانِ خلافت مظہرِ فقر و غنا
صورت و سیرت فقیرانہ جہانبانوں میں ہیں

خلیفۂ اوّل:- عاشقانِ سر بکف جانباز صادق یارِ غار
غار کے اندر بھی شمعِ رخ کے پروانوں میں ہیں

خلیفہ دوم:- کم سے کم اتنا تو دشمن پر بھی پوشیدہ نہیں
فاتحانِ قیصر و کسریٰ شتربانوں میں ہیں

خلیفہ سوم:- جس کو دولت سے ہو نفرت سیم و زر ہوتے ہے
ک غنی کافی نمونہ سارے عثمانوں میں ہیں

خلیفہ چہارم:- شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ خیبر شکن تیرے نگہبانوں میں ہیں

نقشِ پائے راہروانِ جادۂ صبر و رضا
اب بھی جا کر دیکھ لو کوفہ کے میدانوں میں ہیں

قدسیانِ عرشِ اعظم ساکنانِ فرشِ خاک
نام لیوا ہیں ترے، تیرے ثنا خوانوں میں ہیں

کچھ کرم ہم پر بھی اے گنجینۂ لطف و کرم
ہم بھی آخر تیری محفل کے غزل خوانوں میں ہیں

اولاد حضرت اقدس علیہ السلام

نظر آئیں اگر "محمود" سمجھو "دیں پناہ" آیا
دکھائی دیں "بشیر احمد" کہو "نبیوں کا ماہ" آیا
حسن تم خود بھی سُن لو اور سُنا دو سُننے والوں کو
جہاں دیکھو "شریف احمد" کہو وہ بادشاہ آیا

(الفضل ۱۵ جون سنہ ۳۹ء)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

خدا کے مُنہ کی تھی اک بات عیسیٰؑ — نہ تھا ہرگز خدا کی ذات عیسیٰؑ
بشر تھا اس لئے محتاج تھا وہ — نہیں تھا قاضی الحاجات عیسیٰؑ
میسر تھی نہ سر رکھنے کو کٹیا — سیاحت میں رہا دن رات عیسیٰؑ
نئی لایا نہ تھا کوئی شریعت — سُناتا تھا یہی تورات عیسیٰؑ
اگر کچھ بھی خدائی اس میں ہوتی — نہ ہوتا داخلِ اموات عیسیٰؑ
اگر زندہ بھی تھا تو مر چکا ہے — کہے دیتی ہیں تیس آیات عیسیٰؑ
جو آنا تھا وہ آکر جا چکا ہے — تمہیں معلوم ہو حضرات عیسیٰؑ
محمدؐ کے غلاموں سے بھی بڑھ کر — بجا لایا نہ تھا خدمات عیسیٰؑ
ابوالقاسم کے درجہ کو نہ پہنچیں — اگر ہر چرخ پر ہوں سات عیسیٰؑ

تو پھر جب قَدْ خَلَتْ دونوں پہ آیا
محمدؐ شُد نہاں قدمات عیسیٰؑ

قربانیاں

چائے، بسکٹ، کیک، باقر خانیاں — پستہ، بادام اور خرمانیاں
چھوڑ نقل و ناشتے مردِ خدا — کر خدا کی راہ میں قربانیاں

فیضانِ خداوند بھی ہوتے ہیں کبھی بند

دریا ہی نہیں کرتے ہیں کوزہ میں جری بند
گر چاہیں تو کر سکتے ہیں شیشہ میں پری بند
کیا کہنا شجاعت کا تری حضرتِ انسان
ہمّت سے تری بند ہے خشکی نہ تری بند
جب سیر و سیاحت کے لئے جیب میں دیکھا
پھر شملہ و کشمیر ہے نے کوہِ مری بند
جو بند کیا حق نے اُسے کھول لیا ہے
نے شرکِ خفی بند ہے نے شرکِ جلی بند
القصہ ہر اک قسم کی سب راہیں کھلی ہیں
اک بند ہے اُن پر تو فقط راہِ نبی بند
ان سادہ مزاجوں سے کوئی اتنا تو پوچھے
فیضانِ خداوند بھی ہوتے ہیں کبھی بند
جب آپ کو تسلیم ہے قرآن کی بدولت
صدّیق ہیں شہداء ہیں نہ صالح نہ ولی بند
کیوں کوثرِ نبوی میں ہوا بند تموّج
جب تشنہ لبوں کی ہی نہیں تشنہ لبی بند

کیوں مصطفوی فیض کو بند آپ ہیں کرتے
اب تک نہیں دنیا میں اگر بولہبی بند
کافر پہ کشادہ ہیں اگر قہر کے کوچے
مومن پہ ہوئی کس لئے رحمت کی گلی بند
شیطان کی گر راہزنی باقی ہے اب تک
کس وقت ملائک کی ہوئی راہبری بند
مغضوب کی ضالین کی آمد ہے مسلسل
انعمت علیہم کی ہوئی کب سے لڑی بند
کس طرح تبرا ہو عدوانِ علیؓ سے
جب دوسری جانب ہو تولائے علیؓ بند
گر زلف بنانے کو ہے شانے کی ضرورت
کیونکر یہ بنے گی جو ہوئی شانہ گری بند
کب اٹھیں گی اس باغ سے بلبل کی صدائیں
ہر وقت جہاں رہتے ہوں غنچہ و کلی بند
جب تک ہے شہنشاہ کے ہاتھوں میں حکومت
نے تاج ہے مفقود، نہ ہے تاجوری بند
مریمؑ کے جب گر بند کے آنے پہ نبوت
ہم آپ سے پوچھیں گے گر اُس وقت رہی بند

کیا فائدہ پھر جیب میں رکھنے کا پیارو
جب وقت کی پڑتال پہ پاتے ہو گھڑی بند
جس دوست سے ملتا ہے حسنؔ آخری انعام
یہ لوگ اُسے کرتے ہیں اللہ غنی بند

بہکی بہکی

جبکہ تھی بادِ صبا باغ میں مہکی مہکی
بلبل اُڑتی تھی ہر سمت میں چہکی چہکی
پڑ گیا جوں ہی اسے بادِ خزاں سے پالا
باتیں کرنے کو تو کرتی ہے یہ بہکی بہکی

جھوٹ نہ بول

لب ہلانے سے پہلے بات کو تول
پھر بڑے شوق سے زبان کو تول
جُرم مت کر۔ کرے تو کر اقبال
گر مسلمان ہے تو جھوٹ نہ بول

کتابِ زندگی

ہے فقط قرآن ہی دُنیا میں کتابِ زندگی
کھولتا ہے جس کا ایک اک لفظ بابِ زندگی

اس کی کسرِ شان تھی ورنہ میں کہہ دیتا اُسے
ماہتابِ زندگی یا آفتابِ زندگی

اس بشر کی زندگی پر موت آ سکتی نہیں
اس صحیفہ سے کرے جو اکتسابِ زندگی

کر نہ سکتا تھا سکندر خواہشِ آبِ حیات
پیتا اس چشمہ سے گر اک قطرہ آبِ زندگی

جل چکا تھا باغِ عالم جس نے پھر تازہ کیا
از سرِ نو وہ یہی تو ہے سحابِ زندگی

یاد ہو گا کہ دنیا تیرہ و تاریک تھی
یُونہی رہتی گر نہ چڑھتا آفتابِ زندگی

ہاں ذرا ہم کو بتا دے کوئی بھی اہلِ کتاب
ایسا جس کے پاس ہو کامل نصابِ زندگی

زندگی قرآن پر ہو موت بھی قرآن پر
مومنوں کا ہے یہی لُبِّ لبابِ زندگی

درسِ قرآں دے رہے تھے جب امیر المومنین
اور تھے خدّام بھی کھولے نصابِ زندگی

طبعِ رنگیں میں سرور آیا تو بول اُٹھے حسنؔ
چھیڑتے ہیں یُوں خدا والے ربابِ زندگی

قصبہ مصطفیٰ آباد کے متعلق

ایک مرتبہ حسن صاحب رہتاسی کو مصطفیٰ آباد میں کسی تقریب پر مدعو کیا گیا لیکن آپ ایسے حسّاس طبیعت کی خاطر و مدارات مہمان نوازی کے اصولوں کے مطابق پوری توجہ سے نہ کی جا سکی۔ چنانچہ اُن کی بے رخی کے مدِّنظر حسن صاحب نے یہ قطعہ کہا:-

وہ مقتل جس میں سفّاکانِ مادرزاد رہتے ہیں
وہ مذبح جس میں ناحق خونِ مظلوموں کے بہتے ہیں
زباں پر نام تک تو مصطفیٰ کا بھی نہیں آیا
برائے نام اس کو مصطفیٰ آباد کہتے ہیں

اب بھی ہے

جس طرح تھا پہلے اس کا لطف و احساں اب بھی ہے
جیسا ربّ العالمیں تھا اور رحماں اب بھی ہے

جس قدر ظاہر تھا پہلے اتنا ہی ظاہر ہے آج
جتنا پنہاں تھا نظر سے اتنا پنہاں اب بھی ہے

گو نگاہِ سرسری قاصر ہے اس کی دید سے
نَحْنُ اَقْرَبُ کی صدا سُنتی رگِ جاں اب بھی ہے

ابتداء سے آج تک تازہ تریں اسبابِ فیض
مہر و ماہ و ابر و باد و برق و باراں اب بھی ہے

ہم سے پہلے جس قدر انعام اگلوں پر ہوئے
تا ابد جاری ہیں وہ مومن کا ایماں اب بھی ہے

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا ہیں زیرِ موہبت
میرے دعوے کی مؤیّد نصِّ قرآں اب بھی ہے

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی سُننے کے بعد
تجھ کو ناحق کسبی و وہبی کا خلجاں اب بھی ہے

ہستیٔ بے عیب پر طعنِ تلوّن الحذر
کیا مؤحّد کچھ حریصِ شرکِ پنہاں اب بھی ہے

بُخل کا الزام جس پر تھا پُرانا افتراء
اس سراپا حمد پر ویسا ہی بُہتاں اب بھی ہے

اس کی رحمت سے جو تھا نومید ہر اک عہد میں
ابتدائے تھا وہ شیطاں اور شیطاں اب بھی ہے

گر رُخِ سائل پہ بابِ موہبت پیدا نہ تھا
کیوں درِ دولت پہ پھر گسترده داماں اب بھی ہے

گر حصُولِ موہبت میں شرط کوشش تھی عبث
کیوں زمینِ سعی میں پھر گوئے و چوگاں اب بھی ہے

ہو گئے ناپید یُوسف اور دلِ عشاق گُم
چاہِ کنعاں ورنہ اور چاہِ زنخداں اب بھی ہے

پہلوئے عشاق میں کچھ دردِ دل باقی نہیں
ورنہ ہمدردی کو حاضر تیرِ مژگاں اب بھی ہے

کیشِ جاناں اب بھی ہے عاشق پہ جور ناروا
کعبۂ مقصودِ عاشق کوئے جاناں اب بھی ہے

خارِ صحرا اب بھی ہے مجنوں کے چھالوں کے لئے
اور لیلیٰ کے لئے گلگشتِ بستاں اب بھی ہے

لالہ زارِ کربلا گو ہو چکا وقفِ خزاں
دامنِ گلچیں میں بوباسِ گُلستاں اب بھی ہے

سرگذشتِ شام پر ہر شام کا رنگِ شفق
اشتہارِ خونِ ناحق شہیداں اب بھی ہے
پائے ہمت کے لئے میدان اب بھی ہے فراخ
کرنے والے کے لئے جو کل تھا ساماں اب بھی ہے
گر وجودِ شاہدِ نازک خیالاں ہے ابھی
پھر عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالاں اب بھی ہے
ہے قفس کے گوشۂ تاریک میں مرغِ چمن
ورنہ گلشن میں مہیا ساز و ساماں اب بھی ہے

گدگدی پیدا ہو گر سیرِ فلک کی آج بھی
لشکرِ جن و پری تختِ سلیماں اب بھی ہے
نورِ ایمانِ براہیمی تماشائی ہو گر!
نار کے اندر تماشائے گلستاں اب بھی ہے
گر عصائے ہمتِ مومن میں ہو روحِ کلیم
پھر یدِ بیضا تہِ چاکِ گریباں اب بھی ہے

اُمتِ ختم الرسل میں ہے نبی آنا محال
لاڈلا مریمؑ کا آجائے تو امکاں اب بھی ہے

اپنے مُنہ سے مانتے ہیں چشمۂ کوثر کو خشک
تشنہ کامی کے فرو کرنے کا ارماں اب بھی ہے

وہم تیرا ہے جوابِ ابنِ مریم ممتنع
اور یقیں میرا کہ اس قادر پہ آساں اب بھی ہے
ہاں اگر ایسا محمدؐ مصطفیٰؐ کو مانتا
یہ صحیح اور اس پہ شاہد قولِ رحماں اب بھی ہے
حُسن و احسانِ مسیحا دیکھنا ہو گر تجھے
سامنے تیرے نظیرِ حُسن و احساں اب بھی ہے
اب بھی ہیں اربابِ دانش زینتِ بزمِ سخن
اور اس محفل کے اندر مجھ سا ناداں اب بھی ہے
کوئی مانے یا نہ مانے اپنا ایماں ہے حسنؔ
جس طرح پہلے تھا اس کا لطف و احساں اب بھی ہے

طریقۂ خیرات

ناقص ہے وہ مکان کہ جس میں شجر نہ ہو — بے کار وہ شجر ہے کہ جس میں ثمر نہ ہو
بخشش کی آبرو نہیں رہتی نمود سے — یوں دیجئے کہ دستِ گدا کو خبر نہ ہو

مل گیا دو زردسی ویباؤں میں

سالہا بھٹکا کئے صحراؤں میں
مدتوں جھانکا کئے دریاؤں میں

جس کو ڈھونڈا مکتبوں شالاؤں میں
خانقاہوں مندروں گرجاؤں میں

ہوشیاروں، عاقلوں، داناؤں میں
شاہوں میں، راجاؤں میں، راناؤں میں

بابروں، اسکندروں، داراؤں میں
اور عزیزوں، قیصروں، کسراؤں میں

جس کا ذکرِ خیر تھا آقاؤں میں
اور کنیزوں، لونڈیوں، ماماؤں میں

ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، خالاؤں میں
مختلف ملجاؤں اور ماواؤں میں

کوزہ پشتوں، سروقد رعناؤں میں
دلہنوں، بیواؤں اور کنیاؤں میں

کوہ کنوں فرہادوں اور قیسوں کے بعد
محملوں، محمل نشیں لیلاؤں میں

قافیہ سے کہہ رہی تھی کل ردیف
راہوں میں، جگراؤں گڑگاؤں میں

کچھ نہ دیکھا قشقہ و زنّار میں
کچھ نہ پایا برہمنوں، ملاؤں میں

کور باطن، منطقی ملاؤں میں
خود پسندوں، خود سروں خود راؤں میں

چھان مارا اک جہاں جس کے لئے
تھا نہاں گمنام سے اک گاؤں میں

جس کی آمد کا کیا کرتے تھے ذکر
منبروں پر مختلف پیراؤں میں

اکثریت متفق تھی موت پر
دیکھتے کچھ چرخ کی پہناؤں میں

وہ جری اللہ محمد کا بروز
مل گیا دو زردسی ویباؤں میں

بہتری ہیں جن کی وہ کوشاں رہا
ان کے ہاتھوں خود رہا ایذاؤں میں

قادیاں دارالاماں اس کا مقام
آچکا انشاؤں میں املاؤں میں

ہے اشاروں میں ہماری بہتری
اور بہبودی ترے ایماؤں میں

قادیاں! ہم عمر قیدی ہیں ترے
دھوپ میں اپنے کٹے یا چھاؤں میں

ہتکڑی تیری کشش کی ہاتھ میں
اور زنجیرِ محبت پاؤں میں

قلعہ رہتاس

شاہ کی تجھ کو یادگار کہیں
فاقہ مستوں کا یادیار کہیں

جو پسندیدہ ہو تجھے رہتاس
ہم تجھے صد ہزار بار کہیں

مختارِ کُل

کڑے کو نرم کر دے ۔ نرم کو چاہے کڑا کر دے
کھڑے کو اوفتادہ ۔ اوفتادہ کو کھڑا کر دے
حسن جس پر وہ آساں ہے کہاں اس پر یہ مشکل ہے
بڑوں کو چھوٹا کر دے اور چھوٹوں کو بڑا کر دے

قادیان میں ریل

ریل جونہی قادیاں میں آگئی
بول اُٹھی دارالاماں میں آگئی

میں نے پوچھا تو کہاں؟ کہنے لگی
لو سُنو میرا بیاں میں آگئی

پہلے تو پہنچی بڑی سرکار میں
لوٹتے ہی قادیاں میں آگئی

آپ ہی اپنا اُٹھا کر زادِ راہ
آب و آتش اور دُخاں میں آگئی

کاٹے کوسوں سے اُٹھائے پیٹھ پر
کارواں در کارواں میں آگئی

ہند سے نکلی، ممالکِ غیر میں
پھر کے پھر ہندوستاں میں آگئی

خیر یہ اک باتوں باتوں میں یونہی
بات تھی جو درمیاں میں آگئی

کس طرح دشت و جبل کو چیرتی
پھاندتی دریا، دواں میں آگئی

بوجھ نے گو توڑ ڈالی ہے کمر
پھینک کر بارِ گراں میں آگئی

تھا کہیں ڈینجر کہیں تھا ڈیڈ سٹاپ
بچ کے سب خطروں سے ہاں میں آگئی

پیل ہو یا شیر ہو یا کرگدن
ڈر کے سب بھاگے جہاں میں آگئی

غیر کے ہاتھوں میں ہے میری عناں
جس طرف موڑی وہاں میں آگئی

جب نظر آیا رُخِ زیبا مرا
بول اُٹھا خورد و کلاں میں آگئی

میرے گیسو کی درازی سب کہاں
کاکل و زلفِ بتاں میں آگئی

یا سیاہی بھی علیٰ ہذا القیاس
کس لئے کچھ وہم و گماں میں آگئی

میری نسبت تھا "عشارِ عُطّلت"
وہ بھی کہتی ہیں کہ ہاں میں آگئی

اب اُتر جائے گا اونٹوں کا تکاں
آگئی جب بے تکاں میں آگئی

جانتا ہے ہر شتر بچہ مجھے
مانتا ہے ساربان میں آگئی

پوچھ لو یاجوج اور ماجوج سے
آگئی شعلہ فشاں میں آگئی

اب پڑھو قرآن میں "وَالْعٰدِیٰتِ"
واں نہاں تھی یاں عیاں میں آگئی

دیکھ لو آتش بجاں میں آگئی
ہے گواہ سورۃ دخاں میں آگئی

بہرِ تحمیلِ "نُفُوسِ زُوِّجَتْ"
محملِ آرامِ جاں میں آگئی

جب خبر میں آ چکا ترکِ قلاص
سچ کہو کیا رائیگاں میں آگئی

تھا مقدّر میں طوافِ قادیاں
دیکھ لو کرنے کو یاں میں آگئی

مقبرہ کے پاس چلّاتی ہوں میں
مہدیٔ آخر الزماں میں آگئی

آگئی ہوں جانِ جاناں۔ آگئی
آگئی ہاں مہرباں میں آگئی

دیدہ و دل فرشِ رہ کرتی ہوئی
تا بہ سنگِ آستاں میں آگئی

سر کے بل چلتی ہوئی بہرِ نیاز
گہ رواں گاہے دواں میں آگئی

آپ کا الہام تھا "فجٍّ عمیق"
آگئے جب کارواں میں آگئی

وقت سے پہلے میں آتی کس طرح
وقتِ موعودہ پہ ہاں میں آگئی

جب ایازوں نے بلا بھیجا مجھے
عہدِ محمودِ جواں میں آگئی

آخرۃ خیرٌ لَّکَ اُولیٰ سے تھی
بعثِ ثانی کا نشاں میں آگئی

دے دلا کر احمدیّت کا پیام
ہر طرف سارے جہاں میں آگئی

جب سُنا میں نے یہاں ہیں اہلِ دل
صحبتِ صاحبدلاں میں آگئی

ایک دن دہلی میں چھوٹے تھے حسن — وہ وہیں تھے اور یہاں میں آ گئی
آج کل عشقی ہوں رہتے ہیں یہاں — ان سے ملنے قادیاں میں آ گئی
عرض کر دے ان کی خدمت میں کوئی
شاعرہ "دارالاماں" میں آ گئی

قبولِ توبہ

مجھ خطاکار سے جونہی کوئی بھول ہوتی ہے
جس سے یہ طبعِ حزیں اور مُلول ہوتی ہے
جی میں آتا ہے کہ پوچھوں کسی تائب سے حسنؔ
کیسی ہوتی ہے وہ توبہ جو قبول ہوتی ہے

سرجن

علاجِ جراحت میں حاذق وہ چُن
طبیعت میں جسکی ہوں یہ چار گُن
نظر باز کی سر فلاطون کا
جگر شیر کا ہاتھ خاتون کا

یومِ وصال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

ظلِّ احمد کا آیا یومِ وصال — پھر مرے دل میں اُٹھا تازہ اُبال
یاد ہیں خوب یاد ہیں اب تک — اس زمانہ کے روز و شب ماہ و سال
لوحِ دل سے نہ ہوتی محو کبھی — عہدِ ماضی کی صورتِ احوال
جب وہ خورشید غار سے نکلا — کفر کی ظلمتوں کا ٹوٹا جال
شپرہ چشم جو اُڑے کچھ کچھ — باری باری سے ہو گئے پامال
اللہ اللہ اس کا جاہ و جلال — جس کی ہیبت سے کانپ اُٹھا دجّال
نذرِ طاعون ہو گئے مغضوب — اور زلازل نے مار ڈالے ضال
پیش گوئی کے پورا ہونے پر — کھُل گئی صاف صاف حقیقتِ حال
یعنی کوئی متاعِ آتش تھا — اور کوئی ہاویہ کا مال
گرچہ سازش کا دیتے تھے الزام — پر یہ جھوٹی تھی ان کی قیل و قال
حاکمِ وقت نے جو کی تفتیش — جس میں کالا ہو، تھی نہ ایسی دال
شیخ نے جیتے جی ہی دیکھ لیا — اپنی شیخی کا لازوال زوال
کس طرح ہاں وہ ڈاکٹر مرتد — ہو گیا آپ اپنی جاں کا وبال
ہم نشیں جا کے گولڑوی سے پوچھ — میرزا سے مقابلہ کا حال
پوچھئے سرزمینِ کابل سے — کس طرح مملکت میں آیا زوال
جاننے والے خوب جانتے ہیں — ڈوئی کا حال اور پگٹ کا مال

خیر یہ تو گذشتہ باتیں تھیں — دیکھئے حالتِ زمانۂ حال

آج پیدا ہوئے ہیں کچھ احرار — دشمنِ قوم آپ اپنی مثال
کام ان کا فساد و فتنہ و شر — اور نظام اُن کا لوٹ لینا مال
ان کے چکموں سے کوئی بچ نہ سکے — دہلی ہو یا حصار یا کرنال
خُشک ہو جائے ان کی برکت سے — "چیرا پونجی" ہو یا ہو "نینی تال"
پڑھ کے تکبیر لُوٹ لیتے ہیں — ورنہ کر دیتے ہیں وہیں ہڑتال
حق کے دشمن ہیں جھوٹ کے حامی — بارہا اُن کی ہو چکی پڑتال

مل گئے ان کے ساتھ سُنتے ہی — باوفا چند حاکم و عمال
جب پڑی اُن کی قادیاں پہ نظر — چین سے بیٹھنا تھا امرِ محال
کتنے سادہ دلوں کو اُکسایا — ان حریفوں کی جو نہ سمجھے چال

العجب اس ہجوم کے اندر — تھا نہاں ایک پادشاہِ خیال
جس کے دم سے عروسِ شعر کا ہے — آج دنیا میں باقی حُسن و جمال
مانتا ہے ہر ایک شخص کہ وہ — دولتِ شعر سے ہے مالا مال
ناگہاں سر اُٹھا کے بیٹھ گئے — تکیۂ بےخودی سے سرِ اقبال
جھٹ دیا اک بیان نبوت پر — پر نہ آیا جناب کو یہ خیال

دیکھ لیں پہلے یا ذرا سُن لیں — کیا بجاتا ہے وقت کا گھڑیال
تھا نہ معلوم "شیخ" کو شاید — کون ہیں! کیا ہیں احمدی اطفال
اُن میں اکثر خدا کے فضل سے ہیں — جن کو اقطاب کہیئے یا ابدال
منطق و فلسفہ سے یوں کھیلیں — کوئی جوں کھیلے ہاکی و فٹ بال
مُوشگافی پہ جب یہ آ جائیں — "بالِ جبریل" کی اُتاریں کھال
بات جائے نہ بڑھ کہیں حد سے — اک اشارہ ہے بس حسن فی الحال

ہے دُعا اپنی آپ کے حق میں
حال بہتر ہو بہترین مآل

شاعرِ کامل

میرے نُقطۂ نظر کو نکتہ رس غافل سمجھتے ہیں
نہ سمجھے جو یہ نکتہ ہم اسے جاہل سمجھتے ہیں
جو کامل ہیں وہ ہنستے ہیں میرے ناقص تخیل پر
جو ناقص ہیں وہ مجھ کو شاعرِ کامل سمجھتے ہیں

احمدیّت کا زمانہ ماضی و حال

تاجدارِ انبیاء ختم الرسل خیر الانام
مدح میں مصروف ہیں جن کی ملائک صبح و شام

قوّتِ قدسی تو دیکھو عیسیٔ دوراں ہوا
آپؐ کے فیضان سے اُمّت میں حضرت کا غلام

جس خدا نے بھر کے ساغر سارے نبیوں کو دیئے
اس زمانہ میں پلایا میرزا کو بھی وہ جام

میرزا تک ہی نہیں محدود اس کی نعمتیں
بلکہ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ سے عیاں ہے فیضِ عام

پھر یہ فیضِ عام جاری ہے ہمیشہ کے لئے
غور سے دیکھو تو کہتا ہے یہی اس کا کلام

کس طرح ممکن ہے ہو فیضان اس کا منقطع
جبکہ ہو فیاض کو دعوائے فیضانِ دوام

جس نے اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی سکھائی خود دعا
کیسے کر سکتا ہے وہ انعام آئندہ حرام

دین و نعمت تو کرے کامل ہمارے واسطے
پھر رکھے محروم ہم کو ہے یہ اک سودائے خام

میرزا کے بعد نور الدّین اعظم کو کیا
جانشین میرزا دونوں پہ ہوں لاکھوں سلام

نورِ دیں وہ نورِ دیں جس کی شعاعِ نور سے
قادیاں کے آج تک روشن ہیں صحن و سقف و بام

بعد ازیں آیا بشیر الدّین والدُّنیا کا عہد
آپ نے لی ہاتھ میں جونہی خلافت کی زمام

سب یزیدی بھاگ نکلے چھوڑ کر دار الاماں
پا گئے جرمِ بغاوت میں سزا حبسِ دوام

جاتے جاتے لے اُڑے وہ قوم کا قرآن بھی
سامنے آئے! کسی کو ہو اگر اس میں کلام

پھر تعجب ہے کہ دس آنہ کے پیسے چھوڑ کر
پی گئے یہ معتبر قومی رقم بھی دام دام

ان کے بعد اک اور فتنہ نے نکالا سر یہاں
کچھ سوّیاں مستری تھے مفتری اور بد لگام

مدّتوں تک قادیاں میں وہ منافق تھے مقیم
کر گیا پھر کوچ یہ بھی کاروانِ تیز گام

کچھ دنوں کے بعد یاں بھیجا گیا احرار کو
وہ جو نعرے مار کر لیتے تھے تکبیروں کے دام

ایک عرصہ تک بڑی اودھم مچائی تھی مگر
لے گئے تشریف آخر وہ بھی بے نیل و مرام
آج اس محمود کی اُٹھے مذمت کے لئے
کچھ نمک خوارانِ دیرینہ ایاندارِ کرام
ان کی اس وارفتگی پر بول اُٹھے سب سامعین
اللہ اللہ مینڈک کو بھی لگا ہونے زکام
"جو خدا کے ہیں اُنہیں للکارنا اچھا نہیں"
ہے یہ قولِ نائبِ خیرالبشر خیرالانام
معرفت آورد نہیں ہرگز کتابوں کا عبور
سمّ قاتل ہے بجز عرفانِ علمِ ناتمام
خاک کے پتلے میں بے شک لغزشیں ہیں ساتھ ساتھ
ان کے ہی صدقہ میں نکلا خلد سے یہ عرش خرام
اب بھی دے توفیقِ توبہ اس کو ربّ الرحیم
کیا تعجب صبح کا بھولا ہوا گھر آئے شام
بس حسنؔ خاموش ہو جا یہ مقامِ خوف ہے
یوں بھی ہو سکتا نہیں مرغوب طولانی کلام

یومِ خلافت

بوقتِ حمدِ حق الفاظ کی ہے جان خطرے میں
معانی کی دمِ نعتِ نبیؐ ہے شان خطرے میں
نبیؐ کی یا امامِ وقت کی تکذیب کرنے سے
اگر ہو غوثِ اعظم بھی تو ہے ایمان خطرے میں
پہاڑ آیا جو چکر میں زلازل کے تصادم سے
ہوا چھوٹا بڑا حیران و سرگردان خطرے میں
نہیں ہندوستاں مخصوص ان آفات کی خاطر
بلوچستان اور ایران و عربستان خطرے میں
نہیں موقوف مونگھیر و مظفرپور پٹنہ پر
بر و بحر و بیاباں دشت و ریگستان خطرے میں
نہیں محفوظ یورپ بھی نبی اللہ نے فرمایا
کہ سکانِ جزائر میں ہے انگلستان خطرے میں
کیا جب خونِ ناحق اس نے ناکردہ گناہوں کا
پڑا اپنے ہی ہاتھوں سے فغانستان خطرے میں
حبیب اللہ خاں کیا جانتے تھے آپ کے پیچھے
امان اللہ خاں تھے اور نادر خان خطرے میں

صحائف آسمانی پہلی قوموں نے بگاڑے سب
مگر ان دست بُردوں سے نہیں قرآن خطرے میں

بگڑ جائیں جب آب و باد و آتش خاک آپس میں
تو پھر کیوں کر نہ موجودات کی ہو جان خطرے میں

سرِ منبر نہ کر واعظ! وہ باتیں آ پڑے جس سے
ہماری جان خطرے میں ترا ایمان خطرے میں

تجھے شاید نہیں معلوم، یہ دار الخلافت ہے
کہ جس کے رُعب سے دشمن کے ہیں ارمان خطرے میں

ملا ہے اس قدر غلبہ یہاں سے دینِ فطرت کو
کہ سب ادیانِ باطل کی پڑی ہے جان خطرے میں

یہاں ہر ایک ایمن ہے ہر اک رنج و مصیبت میں
مگر خطرہ میں شاید تو ہو یا شیطان خطرے میں

بغاوت پر نہ ترا اور نہ ہو مغرور مہلت پر
کہ مغرورِ خلافت ہے عظیم الشان خطرے میں

گڑھے میں اونچی بلڈنگ ہے مگر یہ یاد رکھ ناداں
اگر پکوان پھیکا ہے تو ہے دُکان خطرے میں

ریاکاری نہ زاہد دیکھ کر اور اس کے لالچ کو
حذر کرتی ہیں حوریں اور ہیں غلمان خطرے میں

زمین و آسمان خائف ہیں جب دوزخ کی ہیبت سے
تو کیوں پروردۂ جنت نہ ہو انسان خطرے میں

کہاں تو اور کہاں یہ بحرِ نعتِ سرورِ عالم
حسنؔ حسّانؔ ہے عاجز یہاں سحبان خطرے میں

نوجوانانِ جماعت سے خطاب

خدا کی حمد تسبیحِ زباں ہو
نبیؐ کی نعت زیبِ داستاں ہو

روانی پر اگر طبعِ رواں ہو
زمینِ شعر بحرِ بیکراں ہو

میرے مضموں کی گرمی کے اثر سے
عجب کیا! اگرم طبعِ شاعراں ہو

گلاب[۱] دین کی نکہت ہوں جیب میں
تو کیوں محفل نہ رشکِ بوستاں ہو

مرے مولا کی شانِ بے نیازی
اگر ہو بھی تو کس منہ سے بیاں ہو

کسی کا تخت ہو دوشِ ہوا پر
کسی کے پاؤں پر بندِ گراں ہو

ہیں دونوں ایک ہی خوانِ کرم پر
سلیماں ہو کہ مورِ ناتواں ہو

خدا کی مہربانی ہو تو کیا غم
مخالف گر زمین و آسماں ہو

بدوں قسمت نہ سیدھی ایک بیٹھے
کوئی کتنا ہی مردِ کارداں ہو

بڑھاپے سے نہیں رُکتے مجاہد
مگر یہ شرط ہے ہمت جواں ہو

حُدی کو تیز تر کرکے شتربان
نکل جاتے ہیں گو محمل گراں ہو

۱؎ شاعر کے والد بزرگوار

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر ہو خار بھی تو گلستاں ہو

کرو ہمت جواں مردو کہ آخر
سپاہِ مہدیٔ آخر زماں ہو

بندھی ہیں تم سے امیدیں ہماری
جہازِ قوم کے تم بادباں ہو

اگر ہم ہو گئے بوڑھے تو کیا غم
خدا رکھے تمہیں، تم تو جواں ہو

جگانی ہے جسے دنیائے خفتہ
جرس وہ تم ہی بہرِ کارواں ہو

جگائے گا وہ کیوں دوسروں کو
جو خود ہی مائلِ خوابِ گراں ہو

نہیں ممکن اجل سے رستگاری
مُسِنّ ہو یا ہو کم سن یا جواں ہو

غنیمت ہے اکٹھے ہیں یہاں آج
خدا جانے کہ کل کوئی کہاں ہو

خدا حافظ حسن ایسے مکیں کا
رہو سیلاب پر جس کا مکاں ہو

جیو ایسے کہ دشمن بھی یہ سمجھے
روانِ قوم روحِ خانداں ہو

کرو جب کوچ دنیا کی زباں پر
اگر ہو تو تمہاری داستاں ہو

توجہ سے سنو پندِ کہن سال
کبھی ہم بھی تھے جیسے تم جواں ہو

مبادا ہو تمہارا وقت ضائع
ہمارا خونِ دل بھی رائیگاں ہو

ہے سب میں لازمی مضمونِ تقویٰ
نہ بھولو اس کو جب تک تن میں جاں ہو

پھر اپنے آپ کو تم پاس سمجھو
کسی مضمون کا بھی امتحاں ہو

نہ کھیلو تیغِ ابرو سے عزیزو!
پڑا رہنے دو اس کو یہ جہاں ہو

بہت ممکن ہے ہو یہ بچۂ مار
تمہیں جس پر گمانِ ریسماں ہو

یہ ناگن ڈس نہ جائے ہاں خبردار
سنبھل کر مائلِ زلفِ بتاں ہو

لچک کر چلنا ہے آئینِ نسواں
وہ اَمرد ہے جو ہم رنگِ زناں ہو

رہو سیدھے بسانِ تیر دائم
قدِ دشمن خمیدہ جوں کماں ہو

شرافت ہے بشر کی حسنِ اخلاق
یہ مانا کمترین و کمتراں ہو

فرومایہ مگر اخلاقِ بد ہیں
نسل ہیں گرچہ نسلِ گورگاں ہو

کرو احکامِ حق کی پاسبانی
کہ تا حق بھی تمہارا پاسباں ہو

قدم اُٹھے تمہارا سوئے مسجد
مؤذّن کی زباں پر جب اذاں ہو

یتیموں پر رہے چشمِ عنایت
انیس و غمگسارِ بیوگاں ہو

ہر اک کے کام یوں آؤ کہ گویا
عصائے پیر ہو تیغِ جواں ہو

پڑھو قرآں مکتوبِ خدا ہے
کہ یہ مکتوب حرزِ جسم و جاں ہو

پڑھا کرتے ہو کیسے شوق سے گر
حدیثِ یار سرِّ دلبراں ہو

بتوں کے حق میں کہہ اُٹھتے ہو یکایک
میرا سر، تیرا سنگِ آستاں ہو

کبھی اُن کو سناتے ہو یہ کہہ کر
خفا کیوں آج مجھ سے میری جاں ہو

مؤحّد ہو کے پھر یہ بُت پرستی
عباد اللہ ہو یا عبدِ بتاں ہو

ذرا سوچو تو اس کی مرتبت کو
جو خلّاقِ زمین و آسماں ہو

جو سچ پوچھو تو کافر سے ہے بدتر
مؤحّد جس پہ مشرک کا گماں ہو

شہ کونین پیوندِ زمیں ہو!
فلک پر ابنِ مریم کا مکاں ہو

کبھی اتنا بھی سوچا ہے خدارا
کدھر ہو کس طرف ہو اور کہاں ہو

غضب ہے شہسوارِ فرسِ توحید
حریصِ محملِ نصرانیاں ہو

اسیرِ غضِّ بصر کی پاس ہوتے
قتیلِ تیغِ ابروئے بتاں ہو

ہے حکمت ضالۂ مومن تو پھر تم
تمہارا مال ہے لے لو جہاں ہو

بچو ہاں بدگمانی سے بچو تم
نہیں زیبا کہ مومن بدگماں ہو

نہ بھولو "مَارَمَیتَ اِذْ رَمَیتَ"
مقابل گر صفِ پیلِ دماں ہو

ملا کرتی ہے تسلیم و رضا سے
بلا ہو یا بلائے ناگہاں ہو

اِصالت ہی اصالت ہو ٹپکتی
عیاں جب جوہرِ تیغِ زباں ہو

متانت رنج و راحت میں نہ چھوٹے
اثر گو ناگہاں یا بیکراں ہو

دمِ گریہ بسانِ شمع سوزاں
بوقتِ خندہ کشتِ زعفراں ہو

محبت باہمی کا ہو یہ نقشہ
کہ دو قالب ہوں جن میں ایک جاں ہو

زبانیں ہوں نہ مانوسِ شکایت
دلوں میں ہی حسابِ دوستاں ہو

جہاں پہنچو نہ چھوڑو فرضِ تبلیغ
فرنگستاں ہو یا ہندوستاں ہو

کرو مذہب کی سچی ترجمانی
کہ مامورِ خدا کے ترجماں ہو

مناظر ہو مظفر اور منصور
مبلغ کامیاب و کامراں ہو

مجاہد فی سبیل اللہ ہمیشہ
قدم بر داشتہ بستہ میاں ہو

کناروں تک زمیں کے جائے تبلیغ
جہاں تک بھی نشانِ آسماں ہو

زباں پر ہو نہ ذکرِ خوفِ دوزخ
نہ دل ہی میں تمنائے جناں ہو

تمہاری ابتدا سے انتہا تک
رضائے حق تعالٰے درمیاں ہو

رضائے حق کے آگے ہیچ سمجھو
جہنم یا بہشتِ جاوداں ہو

گڑے مُردے نکالو مرقدوں سے
کہ شاگردِ مسیحائے زماں ہو

نہیں دشوار کچھ احیائے موتیٰ
حقیقت قم کی گر تم پر عیاں ہو

اگر پیدا کرو ایمانِ مریم
ہر اک پر ابنِ مریم کا گماں ہو

محیطِ ارض گو بن کر رہو تم
مگر مرکز تمہارا قادیاں ہو

وہاں رنج و الم خوف و خطر کیا
خدا کہتا جسے دار الاماں ہو

وہاں تکلیف ہو کیا میہماں کو
جہاں فضلِ عمرؓ سا میزباں ہو

اگر ہو میرِ مطبخ تک رسائی
پھر اپنا ہاتھ ہو اپنا وہاں ہو

رہیں زیرِ نظر اخبار اپنے
کہ شانِ سلسلہ تم پر عیاں ہو

تمدن کے یہی معنے نہ سمجھو
کہ بی بی لندنی ہندی میاں ہو

ملے کھانے کو مکھن کیک بسکٹ
پہننے کو حریر و پرنیاں ہو

کلائی پر تو ہو اک گولڈن واچ
لبِ لعلیں پہ سگرٹ کا دھواں ہو

میاں بی بی جو بہرِ سیر نکلیں
زباں پر قول جامی یوں رواں ہو

"بیا جامی رہا کن شرم ساری"
کہ جوہر دخترِ رز کا عیاں ہو

مسز دائیں ہو اور مسٹر ہو بائیں — اور اک نکتے کا بچہ درمیاں ہو
نیاز و ناز کے ردّ و بدل سے — میاں بی بی ہو اور بی بی میاں ہو
بسر ہو رات ٹیبل ٹاک میں اور — چڑھے جب سن تو فکرِ اینڈآں ہو
حیاتِ کامراں ہوٹل میں گزرے — شفاخانے میں مرگِ ناگہاں ہو
یونہی فیشن کی اپ ٹو ڈیٹیت میں — تبہ بی بی میاں بے خانماں ہو
غرض فیشن زدہ ایسا تمدّن — خداوندا نصیبِ دشمناں ہو

تمہارا ہے تمدّن آسمانی — پڑھو قرآں کہ کیفیت عیاں ہو
اگر اسلام کی تعلیم سیکھو — تو پھر دونوں جہاں میں کامراں ہو

رفیقِ بد کی صحبت سے بچو تم — گدا ہو یا شہنشاہِ شہاں ہو
وزیرِ شہ ہو یا گیتی ستاں ہو — کوئی محکوم ہو یا حکمراں ہو
ہو جالینوس یا سقراط و بقراط — فلاطوں یا ارسطوئے زماں ہو
قتیلِ عشوۂ اسراریاں ہو — شہیدِ غمزۂ پیغامیاں ہو
تعصب اور ہٹ دھرمی میں کوئی — شاء اللہ کا عمِ کلاں ہو
کوئی جادو رقم سحرالبیاں ہو — یا ... سا جس پہ شاعر کا گماں ہو
غرض کوئی بھی ہو اس سے نہیں بحث — فلاں ہو یا فلاں ابنِ فلاں ہو

بچھا جب تک زمیں کا ہو بچھونا — اور اس پر آسماں کا سائباں ہو
مہ و خورشید و انجم ہوں ضیا پاش — عیاں روئے فلک پر کہکشاں ہو
بڑھے پھولے پھلے یہ ناقۂ قوم — زمام اس کی بدستِ ساربان ہو

کھڑی جب تک کہ بنیادِ جہاں ہو — سلامت میرزا کا خانداں ہو
جنابِ میر ناصر کے نوا سے — خدائے پاک جن پر مہرباں ہو
رہے سر پر ہمارے ان کا سایہ — اور ان پر سایۂ نصرت جہاں ہو
خدا کی رحمتیں ہوں دوستوں پر — غضب اس کا نصیبِ دشمناں ہو
مبارک سالِ نو کی آمد آمد — بخیریت رواں سالِ رواں ہو
حسنؔ ہے آپ سے طالب دعا کا — اگر منظورِ طبعِ دوستاں ہو

دعائیں پھر بھی رکھنا یاد جب یہ
سپردِ خاک مشتِ استخواں ہو

مسٹر جناح کی تصویر دیکھکر

اُٹھایا جس نے اپنے سر پہ سارا بارِ پاکستان
یہی وہ مردِ غازی ہے علمبردارِ پاکستان

مسلمان اور اسلام

حمدِ بے حد بایزدِ علّام
نعت بے عد بذاتِ خیرِ انام

بعد ازیں حاضرینِ مجلس پر
میری جانب سے لاکھ لاکھ سلام

طبع موزوں یہ پیش کش لائی
ماحضر پیشِ حاضرینِ کرام

کہنا سُننا عوض معاوضہ ہو
آم کے آم گٹھلیوں کے دام

بارے مسلم کے منہ پہ ہو جائے
آج کچھ ذکرِ مسلم و اسلام

ایک وہ وقت تھا کہ اے مسلم
باغِ عالم میں تھا ترا ہی خرام

تیرے خرمن کے خوشہ چینوں میں
چین و جاپان و ہند و فارس و شام

فلسفی منطقی و ہیئت دان
تیری ہستی تھی سب کا صدر مقام

اور مہندس، مورّخ و فصحأ
تیرے دم سے تھا سب کا باقی نام

نکتہ سنجی و خوش بیانی میں
رُوکشِ عنصری و عمر و خیام

دیں مقدّم تھا تجھ کو دنیا پر
شام سے صبح، صبح سے تا شام

جان سے جو عزیز تر تھے تجھے
زہد و تقویٰ تھے اور صلوٰۃ و صیام

صفِ کفّار پر شدید تھا تو
اہلِ ایماں کا دست بستہ غلام

استقامت کو دیکھ کر تیری
پانی پانی تھا زہرۂ ضرغام

تیرے قبضہ میں زندگانیٔ تیغ
تھی پیامِ اجل تری صمصام

الغرض ہر ہُنر کے اہلِ کمال
مانتے تھے تجھی کو اپنا امام

حیف کل تھا جو دوسروں کی شفا
آج وہ خود ہے مرجعِ آلام

لیکن افسوس خود ہی بھول گیا
اپنی ہستی کو مسلم خوش کام

آخر اک مشتِ استخواں کی بساط
"بندہ عاجز ہے گردشِ ایام"

اب فقط تیرا نام ہے مسلم
اور اک رسم ہے ترا اسلام

حرصِ دنیا میں منہمک شب و روز
دین پوچھو تو ہے برائے نام

سخت گوئی میں آپ اپنی نظیر
بات خنجر ہے اور زباں حسام

تیرے طرزِ عمل پہ ہے موقوف
ابتداء تیری اور ترا انجام

بیر اپنوں سے بغض و کینہ و شر
اور غیروں کو صلح کا پیغام

دی ندا غیب سے یہ ہاتف نے
لے زدستت بروں شد است زمام

کر مناجات میرے لفظوں میں
پڑ تو سجدہ میں پیشِ ربِ انام

تیرے احسانوں کی کوئی حد ہے
اے مرے ذوالجلال والاکرام

وجہِ کسبِ معاش ہیں ایّام
اور راتیں ہیں موجبِ آرام

ماہ و خورشید کے چراغوں سے
ہیں منوّر در و دریچہ و بام

تیری الوان نگاریوں کے نقوش
سیب و امرود و ناشپاتی و آم

تیری صنعت کے رازِ سربستہ
ناریل جوز و پستہ و بادام

میری خدمت کے واسطے مامور / برق و باراں و ابر و باد و غمام
نعمتیں بیشتر برون ز شمار / کس کی طاقت ہے کر سکے ارقام
تیرے سائل نے آج سے پہلے / لے لیا تجھ سے کچھ نہ کچھ انعام
مادرِ مہربان موسیٰ نے / اپنا نورِ نظر وہ گل اندام
تیرے الہام کی تسلی پر / ڈالا دریا میں لے کے تیرا نام
تو جو چاہے تو شہد کی مکھی / زیبِ تن کر لے خلعتِ الہام
آج تو بھی وہی ہے ہم بھی وہی / بند لیکن ہوا درِ اعلام
آدمی پر تو عارضی فیضان / مگس و مور کے لئے ہو دوام
حیف اشرف تو آرزو میں مرے / اور ادنیٰ کا اس قدر اکرام
عہد وہ اور یہ وفائے عہد / ابتداء شور و بے نمک انجام

پردۂ غیب سے ندا آئی / ہو نہ مایوس خادمِ اسلام
باطل است آنکہ مدعی گوید / "بند آئندہ ہے درِ الہام"
تم ہوئے سست گام خود ورنہ / ہم سخی ہیں ہمارا فیض بھی عام
کرکے تکمیل دین تا بالغ / کر دیا ہے قمر کو ماہِ تمام
ساتھ ہی کر کے نعمتیں پوری / تم کو سونپی ہیں بر سبیلِ دوام
جام بھر بھر پلا ہی دو اب تو / میکدہ ہے تمہارا تم قسام
اپنی صہبا میں مے وہی ہے مگر / کوئی ساقی ہو تو پلا دے جام

جام عرفاں پیئے تو بول اُٹھے / خاتم الانبیاؑ کا ایک "غلام"
"آنکہ او داد ہر نبی را جام / داد آں جام را مرا بہ تمام"
وعدہ وہ جو کتاب پاک میں ہے / اور خبر میں بھی پا چکا ارقام
دونوں منکمُ بھلا دیئے تم نے / ہو گا تم میں سے ہی تمہارا امام
ابنِ مریم کا انتظار مزید / ہے مؤذن کی بانگ بے ہنگام
لے کے آدم سے تا یسوعِ مسیح / انبیاء ہیں غلام خیرِ انام
وہ جو چاہے تو اُمتی کو نبی / اور نبی کو دے امتی کا مقام
اپنی امت کے فردِ کامل کو / سب کی شانوں کا کر دے مظہرِ تام
کیا کسی کو مجالِ چون و چرا / حکم آقا کے نیچے ہیں خدام
یہ ہے روحِ عناصرِ مسلم / اور یہی ہے حقیقتِ اسلام

بڑھ نہ حد ادب سے آگے حسنؔ
بیٹھ جا کر کے دوستوں کو سلام

وفاتِ شاہ

ہو نہ سکتا تھا جکی شاہی میں / ایک ساعت بھی آفتاب غروب
ہو گیا حیف روزِ ساعت تک / قیصرہ کا وہ ماہتاب غروب

سہ تاریخ وفات ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

شُدّھی و تبلیغ

یار بھی دنیا میں ہیں اغیار بھی — گُل بھی ہیں زیبِ گلستاں خار بھی
فخرِ گلشن لالۂ آتش نژاد — سُرخ رُو جس سے ہے لالہ زار بھی
شعلہ رُویانِ چمن کے درمیاں — اک طرف ہے نرگسِ بیمار بھی
صنعتیں کامل کسی صانع کی ہیں — دشت و صحرا بحر و بر کہسار بھی
الغرض اس بزمِ موجودات میں — ساتھ ہیں اخیار کے اشرار بھی
ہے دمِ واعظ سے بزمِ وعظ گرم — رونقِ میخانہ ہیں مے خوار بھی
صومعۂ صوفی سے اپنی شان میں — کم نہیں ہے خانۂ خمار بھی
اپنے فن میں ہیں بڑے استادِ وقت — قلعۂ تثلیث کے معمار بھی
جب دکھاتے ہیں عمارات جدید — پیش کرتے ہیں قدیم آثار بھی
ایک کُرتہ مانگنے پر ساتھ ہی — دینے والے فرغل و دستار بھی
اک طمانچہ کھا کے دائیں گال پر — آگے رکھدیں دوسرا رُخسار بھی
ہیں یہاں پھرتے بہت کرپاں فروش — واہگرو کے خالصہ سردار بھی
کیس دھاری اور نہنگان مہیب — برقِ خنداں اور شعلہ بار بھی
ہیں یہیں پر سنگٹھن کے تیغ زن — اور شُدّھی کے علم بردار بھی
پھر رہے ہیں ہر طرف ڈنڈا لئے — آتمہ جاتی کے ٹھیکیدار بھی
خود پرست و خود نما و خود ستا — بد زباں بد طبع بد اطوار بھی

بت پرستانِ زمانہ کبر کوش — سنگدل بے رحم اور غدار بھی
اپنی شکتی پر انہیں اتنا گھمنڈ — منفعل ہوں ان کے آگے تزار بھی
اس قدر مستِ مئے پندار ہیں — ہو نہ اتنا رند بادہ خوار بھی
گر بُتِ سفاک ہیں خنجر بکف — سر بکف ہیں عاشقانِ زار بھی
گامزن ہیں دائرہ اسلام پر — گو زباں سے کرتے ہیں انکار بھی
بُغض حلوائی سے شیرینی سے پیار — آدھے شیدا آدھے ہیں بیزار بھی
اب پسند آیا انہیں بدمعواہ بواہ — اور شُدّھی کا نیا پرچار بھی
آج کل اک وہم نے گھیرا انہیں — ہم رہیں بھارت میں اور اغیار بھی
بالخصوص اخراجِ مسلم کے لئے — تنگ ان پر رشتۂ زنّار بھی
ان کی اس وارفتگی کو دیکھ کر — خندہ زن ہیں مست بھی ہشیار بھی
مادرِ بھارت پہ یوں شیدا ہوئے — بھول بیٹھے مادرِ تاتار بھی
دیکھئے بھارت کو لے لینے کے بعد — لیتے ہیں کب کابل و قندھار بھی
اے حسنؔ سارے مشاغل چھوڑ کر — توڑ کر یہ رشتۂ اشعار بھی

شُدّھی و تبلیغ کی مڈبھیڑ میں
"تیل دیکھو اور اس کی دھار بھی"

نعرے

گئے ہیں ہم نے زندہ باد و مردہ باد کے نعرے
بہت کانوں میں گونجے ہیں سخن کی داد کے نعرے

تکبر سے جو کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی
لگاتا تھا جفا و جور و استبداد کے نعرے

وہ بول اُٹھا کہ اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَ ھَارُوْن
ہوئے غرقاب جب قلزم میں ذی الاوتاد کے نعرے

یہ پانی میں ہوئے غائب وہ خشکی پر ہوئے زائل
ادھر فرعون، ادھر نمرود اور شداد کے نعرے

ہوئے یوں بے نشاں اتنا پتہ چلنا ہوا مشکل
کہاں سے اُٹھے تھے لوطؑ و ثمودؑ و عادؑ کے نعرے

مٹے یہ خود بھی نعرے بھی مٹے ان کے مگر کچھ کچھ
زبانوں پر ہیں ان نعرہ زنوں کی یاد کے نعرے

بڑی مدت سے زوروں پر تھے اب کم تر ہی اٹھیں گے
بغاوت، فسق، شرک و کفر اور الحاد کے نعرے

تعجب کیا اگر عرشِ الٰہی کو ہلا ڈالیں
ستم دیدہ کسی مظلوم کی فریاد کے نعرے

کسی کو کیا خبر کس شان و شوکت سے نکلتے ہیں
کسی آفت رسیدہ خانماں برباد کے نعرے

ئی اک ناکام کوئے عشقِ جاناں کی زباں پر تھا
ہوئے وقفِ بیاباں قیس اور فرہاد کے نعرے

کسی بدبخت طائر کے اسیرِ دام ہونے پر
سُنے ہوں، ورنہ سُن لینا کبھی صیاد کے نعرے

یہ نعرے زندگی تک ہیں سنو گے دم نکلنے پر
عزیزوں، دوستوں، ہمسائیوں اور اولاد کے نعرے

حسن یہ سارے فانی تھے جو باقی رہنے والے ہیں
وہ نعرے! ہاں وہ نعرے ہیں خدا کی یاد کے نعرے

وفاتِ مسیح

احمدؐ میں جب اَحَدْ ہے تو احمد اَحَدْ میں ہے
لاگر کوئی دلیل تری اِس کے ردّ میں ہے
بن باپ کو چڑھاتا ہے تو آسمان پر
سارے جہاں کے باپ کو کہتا لحد میں ہے

یتیم مکّہ کے بوریا نشین

وطن کی یاد بھلا کر مہاجرین گئے
مؤلفین گئے کچھ مصنفین گئے

مجاہدین دلاور جہاد کرنے کو
کمر سے باندھ کے شمشیرِ علمِ دین گئے

جو ملک دین کی تعلیم سے تھے بے بہرہ
انہیں پڑھانے ہمارے معلّمین گئے

مسیحِ وقت کے مکتب کے فارغ التحصیل
مریض ملکوں کی جانب معالجین گئے

مناظرین گئے کچھ مباحثین گئے
بوقتِ بحث بھی پائے مگر متین گئے

اُٹھائے تیغِ دلائل گئے ہیں لندن میں
وہ جن پہ دشنہ چلا جب فلاسطین گئے

چھپے جو شرق میں نکلے سپہرِ مغرب پہ
طلوعِ شمس کی صورت جلالِ دین گئے

وہ جس کے کپڑوں سے ڈھونڈینگے بادشاہ برکت
اُسی بشیر کے بھیجے مبشّرین گئے

اسی نذیر کی تبلیغ کو اُٹھائے ہوئے
کنارہ ہائے زمیں تک مبلغین گئے

عرب کی خاک سے کچھ بادیہ نشین گئے
زمینِ ہند سے کچھ قادیاں گزین گئے

وہ جس کی بعثتِ اولیٰ میں اوّلین گئے
اسی کی بعثتِ احمدی میں آخرین گئے

نظر میں غیر کی ہر چند کمترین گئے
لئے دلوں میں تمنّائے بہترین گئے

ہر اک مقام پہ ناکام و نامراد رہے
مخالف ایسوں کے جتنے مخالفین گئے

ہوئے وہ قیصر و کسریٰ کے کروفر برباد
یتیم مکّہ کے جب بوریا نشین گئے

گئے جدھر بھی جہاں بھی گئے خوش مقدم
کوئی بتائے اگر ہم کہیں حزین گئے

نگہ میں اپنی گُلِ تر بھی خارِ خشک ہوا
ریاضِ دہر سے جبدم گلاب چین گئے

حسنؔ کی نظم، مسافر، مقیم سُن سُن کر
ہر ایک شعر پہ کہتے صد آفرین گئے

اقسامِ احمدی

احمدی ہیں کچھ بلالی احمدی
عاشقِ احمد ہیں حالی احمدی

بعض بعض ان میں ہیں قالی احمدی
اور اکثر امتثالی احمدی

بعض ہر موسم میں ہی سرسبز ہیں
اور کچھ ہیں برشگالی احمدی

کچھ کمالی اور زوالی احمدی
احمدیت سے ہیں خالی احمدی

ان میں ہیں کچھ مشرقی کچھ مغربی
کچھ جنوبی کچھ شمالی احمدی

اور کچھ مجذوب ہیں طاعت گذار
کچھ جمالی کچھ جلالی احمدی

فرش پر ہیں گاہے گاہے عرش پر
جن کو کہئے لا اُبالی احمدی

کچھ خوش و خرم ہیں شاد و شاداں
شرم سے کچھ انفعالی احمدی

ہم کو اُلفت کے پیالے کی طلب
وہ ہیں مشتاقِ پیالی احمدی

ان سے فارغ ہو کے چل کر دیکھ لے
مقبرے میں انتقالی احمدی

یتیم مکّہ کے بوریا نشین

وطن کی یاد بھلا کر مہاجرین گئے ۔۔۔ مؤلفین گئے کچھ مصنّفین گئے
مجاہدین دلاور جہاد کرنے کو ۔۔۔ کمر سے باندھ کے شمشیرِ علم دین گئے
جو ملک دین کی تعلیم سے تھے بے بہرہ ۔۔۔ انہیں پڑھانے ہمارے معلّمین گئے
مسیح وقت کے مکتب کے فارغ التحصیل ۔۔۔ مریض ملکوں کی جانب معالجین گئے
مناظرین گئے کچھ مباحثین گئے ۔۔۔ بوقتِ بحث بھی پائے نگرشتین گئے
اُٹھائے تیغِ دلائل گئے ہیں لندن میں ۔۔۔ وہ جن پہ دشنہ چلا جب فلاسطین گئے
چھپے جو شرق میں نکلے سپہرِ مغرب پر ۔۔۔ طلوعِ شمس کی صورت جلال دین گئے
وہ جس کے کپڑوں سے ڈھونڈینگے بادشاہ برکت ۔۔۔ اُسی بشیر کے بھیجے مبشّرین گئے
اسی نذیر کی تبلیغ کو اُٹھائے ہوئے ۔۔۔ کنارہ ہائے زمیں تک مبلغین گئے
عرب کی خاک سے کچھ بادیہ نشین گئے ۔۔۔ زمین ہند سے کچھ قادیاں گزین گئے
وہ جس کی بعثتِ اولیٰ میں اوّلین گئے ۔۔۔ اسی کی بعثت اُخرٰی میں آخرین گئے
نظر میں غیر کی ہر چند کمترین گئے ۔۔۔ لئے دلوں میں تمنّائے بہترین گئے
ہر اک مقام پہ ناکام و نامراد رہے ۔۔۔ مخالف الیسوں کے جتنے مخالفین گئے
ہوئے وہ قیصر و کسریٰ کے کرّ و فر برباد ۔۔۔ یتیم مکّہ کے جب بوریا نشین گئے
گئے جدھر بھی جہاں بھی گئے خوش و خرم ۔۔۔ کوئی بتائے اگر ہم کہیں حزین گئے
نگہ میں اپنی گلِ تر بھی خارِ خشک ہوا ۔۔۔ ریاضِ دہر سے جس دم گلاب چین گئے

حسنؔ کی نظم، مسافر، مقیم سُن سُن کر
ہر ایک شعر پہ کہتے صد آفرین گئے

اقسام احمدی

احمدی ہیں کچھ بلالی احمدی ۔۔۔ عاشقِ احمد ہیں حالی احمدی
بعض بعض ان میں ہیں قالی احمدی ۔۔۔ اور اکثر امتثالی احمدی
بعض ہر موسم میں ہی سرسبز ہیں ۔۔۔ اور کچھ ہیں برشگالی احمدی
کچھ کمالی اور زوالی احمدی ۔۔۔ احمدیت سے ہیں خالی احمدی
ان میں ہیں کچھ مشرقی کچھ مغربی ۔۔۔ کچھ جنوبی کچھ شمالی احمدی
اور کچھ مجذوب ہیں طاعت گزار ۔۔۔ کچھ جمالی کچھ جلالی احمدی
فرش پر ہیں گاہے گاہے عرش پر ۔۔۔ جن کو کہئے لا اُبالی احمدی
کچھ خوش و خرم ہیں شاد و شاد دل ۔۔۔ شرم سے کچھ انفعالی احمدی
ہم کو اُلفت کے پیالے کی طلب ۔۔۔ وہ ہیں مشتاقِ پیالی احمدی

ان سے فارغ ہو کے چل کر دیکھ لے
مقبرے میں انتقالی احمدی

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

ابتدا سازم بنامِ پاک آن سے ابتدا
آنکہ در ذاتِ قدیمش راہ نیا بد انتہا

آج کیوں اِترا رہی ہے صحنِ گلشن میں ہوا
کیوں فضائے بوستاں ہے اس قدر فرحت فزا

کیوں ترنم ریز ہیں سب طائرانِ خوشنوا
کیوں عروسِ گُل کا جوبن آج ہے نکھرا ہوا

خندۂ گُل کیوں اچنبھا سا نظر آتا ہے آج
کیوں نئے انداز میں اُٹھتی ہے بلبل کی صدا

کیوں تبسّم رُو کش قہقہہ ہوا جاتا ہے یوں
خندہ گُل سے بھی ہے خاموشیٔ غنچہ سوا

نگہتِ گُل اور غنچہ کی مہک جاں آفریں
اور یہ جاں آفرینی صنعتِ کلکِ قضاء

یوں خمیدہ بارِ برگ و گُل سے ہیں شاخ و شجر
پیشِ داور جس ادا سے ہو کوئی عابد جھکا

صحنِ گلشن میں سکوتِ پیہم آبِ رواں
خشیت اللہ سے دلِ مومن ہو جوں پگھلا ہوا

یُوں لبِ جُو ہے قیامِ سروِ بالا جس طرح
منزلِ مقصود پر پہنچا ہوا ہو پارسا

ورقِ گُل را گرہمے بینی بچشمِ معرفت
تجھ پہ کُھل جائے حق و حکمت کا ہے دفتر کھلا

بس حسنؔ اب دیکھ لی موزونیٔ طبعِ رواں
چھوڑ تشبیہات کو اور بر سرِ مطلب بیا

ہاں کہیں ایسا نہ ہو اربابِ مجلس بول اُٹھیں
آگیا ہے بزم میں یہ بھی کوئی ہرزہ سرا

کچھ تو آخر چاہیئے ارکانِ محفل کا لحاظ
وہ بھی پھر اہلِ قلم اور صاحبِ فہم و ذکا

یہ طریقہ یہ سلیقہ، بزم کا یہ ربط و ضبط
شاذ و نادر ہی ملے میر صاحبؔ کے سوا

اک نظر اصحابِ مجلس کی طرف بھی چاہیئے
ہیں ہمہ تن گوش سب یار و عزیز و آشنا

صد گرہ دارد، گرہ بر مصرعۂ دُرِّ ثمیں
نیست آساں گرہ بر قولِ جنابِ میرزا[1]

گر تُرا باور نیاید بر تو مے خوانم عزیز
غور کُن در بندشِ الفاظ و در معنیٰ درا

[1] میرزا کاظم علی صاحب

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

چند پروانے تھے جل کر رہ گئے

گھر سے احمد کے نکل کر رہ گئے
احمدیت سے پھسل کر رہ گئے
کر کے انکارِ نبوت چند لوگ
جھٹ خلافت سے مچل کر رہ گئے
نورِ دیں کے عہد میں چمکے مگر
چھ برس فی الحال ٹل کر رہ گئے
جب خلافت حق نے دی محمود کو
جس قدر چالیں تھیں چل کر رہ گئے
پوسٹر بازی کی جب سوجھی انھیں
زہر جتنا تھا اُگل کر رہ گئے
ہر طرف سے ہو چکے ناکام جب
ہاتھ مل کر دل مسل کر رہ گئے
وہ جو تھے چاہِ تنزّل میں گرے
ڈوب کر اچھلے اچھل کر رہ گئے

صوفی غلام محمد اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ

رہتے ہیں پہلو بہ پہلو ایک جا
دو غلامانِ محمد مصطفیٰ

ذکرِ حبیب علیہ السلام

آج ہے فضلِ خدا سے کیا ہی تقریبِ عجیب
مسجدِ اقصیٰ میں ذاکر کرتے ہیں ذکرِ حبیبؑ
یہ وہ گھر ہے جس کا دروازہ کھلا ہے رات دن
خوفِ حاجب، خطرۂ درباں نہ بوّاب و نقیب
اک نظر احباب کے مجمع پہ بھی اے ہم نشیں
ہیں بہم صوفی و زاہد، عالم و فاضل ادیب
ہیں برابر اعلیٰ و ادنیٰ یہاں چھوٹے بڑے
کیا امام و مقتدی کیا سامعیں اور کیا خطیب
عابد و پرہیزگار و زاہدِ شب زندہ دار
جن کے ہے اخلاصِ قلبی پر گواہ ذاتِ حسیبؑ
بے زر و زردار و محتاج و غنی ہشیار و مست
طفلِ ناداں پیر دانش مند بیمار و طبیب
جب یہاں پہنچے تمیزِ مرتبت جاتی رہی
ہیں چساں شہ سر نہد در پائے دہقانِ غریب
آج بھی دیکھو یہاں بیٹھے ہیں اصحابِ نبی
تھے یہ وہ بیمار جن کے خود مسیحا تھے طبیب

دیکھ کر جوشِ بہارِ گلستانِ قادیاں
ہوتے ہوتے زرد آخر اڑ گیا رنگِ رقیب
صحنِ مسجد میں ہجومِ عاشقاں ہے اس طرح
جس طرح صحنِ چمن میں ایک جا ہوں عندلیب
ہمتِ مرداں میں مضمر تھی جو امدادِ خدا
کہتے ہی نصرٌ من اللہ دیکھ لی فتحٌ قریب
دیکھ کر محمود کو بیٹھے ایازوں میں حسنؔ
ہو گئی تازہ دلوں میں دفعتہً یادِ حبیبؐ
اتفاقِ بلبل و گل بارہا خواہد شدن
صحبتِ ما و شما و سیرِ بستاں یا نصیب

توحید

مردِ مسلم رشتۂ حق ذاتِ حق سے جوڑ دے
اے موحد حلقۂ زنجیرِ باطل توڑ دے
کر عبادت موسیٰ و ہارون کے معبود کی
سامری والی یہ گوسالہ پرستی چھوڑ دے

خدا کی بات

بدزبانوں نے جسے سمجھا زباں تک ملتوی
اور خاموشی پسندوں نے وہاں تک ملتوی
جاگنے والوں نے حرفِ داستاں تک ملتوی
نیند کے ماتوں نے سنگِ آستاں تک ملتوی
جانتے تھے بعض گردابِ رواں تک ملتوی
مانتے تھے بعض گردِ کارواں تک ملتوی
کچھ سمجھتے تھے اسے وہم و گماں تک ملتوی
اور حسنؔ کے ہم زباں حُسنِ بیاں تک ملتوی
الغرض سمجھے جسے پیر و جواں تک ملتوی
خیریت اس میں ہی تھی رہتی جہاں تک ملتوی
ہو چکی تھی جو مشیّت میں خزاں تک ملتوی
ملتوی رہتی بھی تو آخر کہاں تک ملتوی
جب زلازل میں نمایاں وجہ مجبوری ہوئی
"پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"

اقرار و انکار

منہ رکھتے ہیں ہر چند کہ قبلہ کی طرف ہم
برگشتہ ہے دل اپنا مگر قبلہ نما سے

تسلیم نبوّت بھی خلافت بھی مسلّم
جو وقت پہ موجود ہو، ہو اپنی بلا سے

اقرار ہے ہونے کا خدا کے ہمیں بے شک
انکار ہے گر ہم کو تو موجود خدا سے

ہم مرد سپاہی ہیں ہمیں زد سے غرض ہے
اتنا ہی تعلق ہے حیا اور وفا سے

غنچہ سے محبت ہے ہمیں گُل سے ہے اُلفت
کینہ و کدورت ہے تو ہے بادِ صبا سے

مقولۂ شاعر

جس گھر کے نمکخوار ہے شیخ و برہمن حیرت ہے اسی گھر کے وہ ہوں حُسن کے پیاسے
پر یاد رکھیں ایسے موحّد کہ یہ عقیدے
کھل سکتے ہیں محمود کے ہی ناخن پا سے

سنہ ۱۹۳۵ء میں پانی پت میں مولانا حالیؔ مرحوم کا جشن صد سالہ "سالگرہ" نہایت عظیم الشان پیمانہ پر منایا گیا جس میں ہندوستان بھر کی مشہور شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔ نواب صاحب بھوپال صدر تھے۔ جلسہ میں نامور ادباء و فضلاء نے مقالے پڑھے اور چوٹی کے شعرائنے اپنے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ اس موقعہ پر حسنؔ صاحب رہتاسی بھی پانی پت تشریف لے گئے اور مولانا حالیؔ کی شان میں یہ نظم کہی جو اس وقت کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

مزار خواجہ حالی مرحوم سے خطاب

پادشاہ ہو یا گدا مزدور یا سرمایہ دار
سخت ناداں ہے کرے جو زندگی کا اعتبار

جامہ زیبی پر نہ اترا جا کسی سے پوچھ لے
ہلک ہو سکتا نہیں ہرگز لباسِ مستعار

پانی پت کو دیکھ، لیکن دیدۂ عبرت سے دیکھ
جس کا سینہ رہ چکا ہے شاہوں کا ہنگامہ زار

اُٹھ گیا کلّیۃً فرقِ شہنشاہ و گدا
جامۂ ہستی کیا جو نہی قضاء نے تار تار

خونِ آغشتہ اُدھر دہلی کا لودھی شہریار
خاک آلودہ اِدھر ملکِ سخن کا تاجدار

ہاں مرا رُوئے سخن ہے اس فدائے قوم سے
جس کے احساں روزِ روشن سے سوا ہیں آشکار

قوم کا خادم، وطن کا خیر خواہ، ملّت کا دوست
جس کا ہے شہکار دنیا میں مسدس یادگار

سونے والے پر خدا کی رحمتیں ہوں بے شمار
اور قیامت میں ہو فردوسِ بریں دارالقرار

اُٹھ گیا دل رونقِ دنیا کو فانی دیکھ کر
لاجرم گوشہ نشینی کو پسند آیا مزار

سو رہا ہے صدرِ محفل خوابِ شیریں میں مگر
یاد میں مرحوم کی روتی ہے محفل زار زار

شیوۂ مومن، مصائب میں ہے تسلیم و رضا
کیونکہ ہے تقدیر کے آگے بشر بے اختیار

پھول لائے ہیں چڑھانے کو نہ دیبائے حریر
ہم ترے حق میں دعا کرتے ہیں یوں سرِ مزار

ہو محمدؐ کی شفاعت اور دیدارِ خدا
"چوں نسیمِ صبحِ محشر پردہ بردارد ز کار"

جب قلندر بوعلی کے صحن میں پہنچا حسنؔ
اور ان آنکھوں نے دیکھا خواجہ حالیؔ کا مزار

دل سے اُٹھتے ہی دعا جاری زباں پر ہوگئی
سونے والے پر خدا کی رحمتیں ہوں بے شمار

بھوکے بھیڑیے

دُور ہونے کو ہے اس سرکش کی مستی ایک دن
بلکہ مٹ جانے کو ہے ظالم کی ہستی ایک دن

تابکے پھرتے رہیں گے پیٹ بھوکے بھیڑیے
رنگ یوں لائے گی اُن کی فاقہ مستی ایک دن

ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھوں دل سے پوچھا جائیگا
ہوگی شاہد ظالموں کی چیرہ دستی ایک دن

کس کے گر باندھو کمر تم پھر خدا کے فضل سے
احمدی ہوکر رہے دنیا کی بستی ایک دن

ہم نے مانا آج مہنگے ہیں تمہیں صبر و رضا
پر یہی جنسِ گراں آئے گی سستی ایک دن

کس لئے ہستی کے مالک سے رکھیں ہستی دریغ
جب کہ مٹ جانے کو ہے یہ فانی ہستی ایک دن

ہیں بہت نزدیک وہ دن جبکہ عزّت پاؤ گے
اور بلندی سے بدل جائے گی پستی ایک دن

آخرِ شب گر بہاؤ گے مسلسل سیلِ اشک
آگ بدخواہوں پہ دیکھو گے برستی ایک دن
بول ہونے کو ہے بالا حق پرستی کا حسنؔ
اور فنا ہونے کو ہے باطل پرستی ایک دن

ذکرِ حضرت احمد علیہ السلام

آج ہے موضوعِ بزمِ دوستاں ذکرِ حبیبؑ
یعنی اس مجلس کی ہے روحِ رواں ذکرِ حبیبؑ
"جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیئے"
ہے رگِ جاں میں بجائے خوں رواں ذکرِ حبیبؑ
دل میں یہ ارمان لائے ہیں کہ ان کے روبرو
یاد ہو جتنا مجھے کر دوں بیاں ذکرِ حبیبؑ
ہوں مثیلِ ابنِ قیمؒ، فخرِ رازی جس جگہ
ان پہ دُہرائے تو نقصانِ زماں ذکرِ حبیبؑ
حُسنِ ظن نے کر دیا احباب کو پابندِ وضع
ورنہ چھوٹا منہ بڑی تھی داستانِ ذکرِ حبیبؑ
"مجھ کو مجبوری نہ تھی ان کی زبردستی نہ تھی"
اپنی تسکیں۔ ان کا تھا آرامِ جاں ذکرِ حبیبؑ

میں بھی پہنچا یادگارِ یار سے کر بعدِ یار
تاکہ یاروں پر کروں کچھ کچھ بیاں ذکرِ حبیبؑ
حرزِ طفلاں ہے اگر یادِ حبیبِ نامدار
ہے عصائے پیر اور تیغِ جواں ذکرِ حبیبؑ
کچھ گُل و بُلبل سے ہی مخصوص رہنے کا نہیں
اب تو کرنے کو ہے سارا گلستاں ذکرِ حبیبؑ
مردماں گویند ہم دیوار را باشند گوش
اینک آوردم برائے امتحاں ذکرِ حبیبؑ
ہم گداؤں کو تو ہے یہ گنجِ ویرانہ حسنؔ
بادشاہوں کو ہے گنجِ شائیگاں ذکرِ حبیب

خوش نصیب

کس نے پایا ہے زمانہ میں "مسیحا" سا خطیب
کس کو بخشا حق تعالےٰ نے نبی زادہ خطیب
کون ہے جس نے اُٹھایا فائدہ اُن سے حسنؔ
احمدی وہ احمدی وہ احمدی ہے خوش نصیب

احرار کی کتابِ زندگی

مجلسِ احرار کھو بیٹھی کتابِ زندگی
اب وہ دکھلائے کسی کو کیا حسابِ زندگی

آئی تھی چہرہ پہ رونق خونِ پبلک چوس کر
لے گئی "مسجد" مگر وہ آب و تابِ زندگی

"مشکلے دارم ز دانش مندِ مجلس باز پرس
شاید اس کو یاد ہو بابِ نصابِ زندگی

مے وہی مجلس وہی ساقی وہی ساغر وہی
ہو گئی بے کیف پھر کیونکر شرابِ زندگی

توڑ ڈالے بال و پر دُم کاٹ دی صیاد نے
ہو گیا معذور اُڑنے سے عقابِ زندگی

حیف جس پر تھا کبھی شہباز و شاہیں کا گماں
وقت جب آیا تو نکلا وہ غرابِ زندگی

کُھل گیا شیرازہ اوراقِ پریشاں اُڑ گئے
اب مرتب ہو تو ہو کیسے کتابِ زندگی

تار ڈھیلے پڑ گئے۔ مضراب غائب ہو گئی
اب بجائے کس طرح کوئی ربابِ زندگی

دعوائے مردانگی تھا اور شجاعت کا گھمنڈ
درمیاں حائل تھا جب تک کچھ حجابِ زندگی

یاد آیا میکہ جب چُپ چاپ لیجاتی تھے ہم
جانتے تھے لُوٹ کو لُبِّ لبابِ زندگی

بے تکلّف دوڑتے تھے ہر طرف آزاد پا
ہو گیا زنجیر پا اب تو خلابِ زندگی

ہم نے تو دیکھا تھا اوروں کو کچل دینے کا خواب
خود بنے سُرمہ دہم تعبیرِ خوابِ زندگی

کچھ ہوا تھی اور کچھ پانی نہ سنگ و خشت تھا
پھٹ گیا پہلے ہی جھونکے سے حُبابِ زندگی

ہم کو مجبوری نہ تھی ان کو زبردستی نہ تھی
چرخ ظالم لے گیا ہنس کر شبابِ زندگی

لُٹ چکا جب کارواں پہنچا "مجاہد" دوڑ کر
قوم کا "مشکل کشا" خانہ خرابِ زندگی

کچھ پتہ چلتا نہیں۔ آخر یہ چل دی کس طرف
عمر بھر دوڑا کئے ہم ہمرکابِ زندگی

خوب صادق آ گیا وہ قولِ ابنِ میرزا
"پڑھ چکے احرار بس اپنی کتابِ زندگی

ہے یہ اک قانونِ مستحکم خدا الٹا نہیں
قوم جب تک خود نہ لائے انقلابِ زندگی

خوب تَسْوَدُّ وُجُوہٌ کے معانی کھل گئے
جب رُخِ احرار سے سرکا نقابِ زندگی

زندگی کو بندگی سے ملتی ہے تابندگی!
ورنہ ہے شرمندگی اور اضطرابِ زندگی

بندگی سے ہے سرابِ زندگی بھی آبدار
ورنہ آبِ زندگی بھی ہے سرابِ زندگی

زندگی ہے بندہ پرور بندگی بے چارگی
خود روی اور خود پسندی ہے تبابِ زندگی

ترکِ آدینہ[۱] کے مفتی سے کوئی پوچھے ذرا
یہ ثوابِ زندگی تھا یا عذابِ زندگی

رہ گئے اپنا سا منہ لے کر ادھر اہلِ کتاب
اور ادھر سر پیٹ کر اپنا کتابِ زندگی

غیر ممکن ہے کبھی مردہ دلوں پر کھل سکے
کھولتی ہے زندگی زندوں پہ بابِ زندگی

۱؎ احرار نے قادیان میں ایک جمعہ عمداً ترک کر دیا تھا تاکہ گورنمنٹ پر مداخلت فی الدین کا الزام عائد کر سکیں لیکن دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں قید ہو گئے اور جمعہ بھی جاری کر دیا ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

اے متاعِ زندگی کے مشتری ہشیار باش
حزم لازم ہے بوقتِ انتخابِ زندگی

کام جو کرنا ہے کر لو روشنی میں جلد جلد
کیا خبر چھپ جائے کس کا آفتابِ زندگی

وقت ختم ہونے پہ پرچہ چھین لیں گے ممتحن
ٹھیک کر لو وقت کے اندر حسابِ زندگی

یاد رکھنا دوستو ہوگی خدا کے سامنے
اک نہ اک دن پیش ہر اک کی کتابِ زندگی

ایک دن تارِ نفس تیرا بھی ٹوٹے گا حسنؔ
پھر قیامت تک رہے گا چپ رُبابِ زندگی

نقشِ باطل

وہ بدو جو پھر رہے ہیں جعلی عامل کی طرح
مضطرب ہیں رات دن مغرور قاتل کی طرح

جب عمل میں آئے گی ان کی گرفتاری حسنؔ
لوحِ ہستی سے مٹیں گے نقشِ باطل کی طرح

موکبِ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بر سندھ

اے شہِ صدق و صداقت یادگار صادقاں
میروی آنجا کہ گویندش دیارِ صادقاں

زندہ باشی پیکرِ صدق و صدا دو راستی
ہر کجا باشی تواے نقش و نگارِ صادقاں

"کار و بار صادقاں ہرگز نماند ناتمام"
آنکہ باشد بر صداقت انحصارِ صادقاں

باز برخوانید یاراں باز در اُم الکتاب
صدق را پرورد و چوں پروردگارِ صادقاں

در خبر ہم ذکرِ صدق و صدق ورزی آمدہ
شد گواہِ صدق ذات شہریارِ صادقاں

از ثریا باز آوردہ صداقت صادقے
مہدیٔ دوراں بوذِ تاجدارِ صادقاں

کرد روشن دین را بعد از وصالش "نوردین"
نُورِ دیں آں نور دیں نصف النہار صادقاں

رفتہ رفتہ آمدہ عہد اولوالعزمے کہ بود
ابنِ موعود امامِ کامگارِ صادقاں

بہرِ تبلیغ ہدایت ہر طرف اسپے جہاند
فارسِ میدان مذہب شہسوارِ صادقاں

ایں دعائے از حسنؔ و ز حاضرین آمین بلد
خوش رود و خوش باز آید یادگار صادقاں

مجاز و حقیقت

نمودِ رنگ سے کب آشنا ہوا اے دل
پڑا تصورِ نقشِ خودی میں ہے غافل

مجاز ہی میں حقیقت کا راز پنہاں ہے
نظر کے آگے بنا ہے یہ پردہ کیوں حائل

جمالِ شاہدِ معنےٰ اُسے نصیب کہاں
بتوں کی چشم فسوں ساز پر جو ہے مائل

صفائے قلب ہو پیدا کسی میں تب مانیں
وگرنہ محض ریاضت کے ہم نہیں قائل

وہی تو منصب عالی کو پہنچے آخر کار
جو آکے خاک نشینوں میں ہو گئے شامل

ہوا یہ شوقِ شہادت کہاں مرے ہمدم
بجھائے تشنگیٔ دل جو خنجرِ قاتل

بیانِ حالِ دل زار ہو تو کیونکر ہو
نہیں زباں ابھی عرضِ نیاز کے قابل
لب سوال پر آیا جو حرف دنیا کا
سوائے حسرت حاصل ہوا نہ کچھ حاصل
جہاں میں ناز ہو اپنے کمال پر کیا خاک
فلک پہ جب نہ سلامت رہے مہِ کامل

برخود غلط منصور

حماقت ہے زنگی کو کافور کہنا — شب تار کو بقعۂ نور کہنا
بنارس کی بستی کو میسور کہنا — کسی چھپکلی کو سقنقور کہنا
ہمالہ کو ہم پایۂ طور کہنا — گدا کو ولی عہدِ فغفور کہنا
مگس کو جہالت سے زنبور کہنا — سفاہت سے آہن کو بلّور کہنا
دکاں کے عوشہ کو انگور کہنا — خرِ مادہ کو خالۂ حور کہنا
اِدھر ہمنشینوں کو مہجور کہنا — اِدھر خود بدولت کو منصور کہنا
مرے نامہ بر اس کی محفل میں جاکر — نہایت ادب سے یہ مذکور کہنا
ضرورت نہ تھی کہنے سننے کی لیکن — پڑا ہے مجھے ہو کے مجبور کہنا
بدل جلوۂ دار منصور بننا — غلط ہے ترا چشم بد دور کہنا
حسنؔ تیرا کہنا برا ہو کہ اچھا — ترا کام ہے حسب دستور کہنا

عرضِ حال

بحضور سیّدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ

من نہ تنہا خویش را بر آستاں آوردہ ام
از غم و رنج و الم یک کارواں آوردہ ام
ہر چہ از دستِ جہالت بر سرِ دانش گذشت
سر بسر آں سرگذشتے در بیاں آوردہ ام
آنچہ از راہِ ارادت بود پنہاں در دلم
در حضورِ آستاں جملہ عیاں آوردہ ام
گرچہ از بارِ گناہاں آمدم با پشتِ خم
بر امیدِ لطفِ تو خود را جواں آوردہ ام
آمدم بر در گہت نالہ کناں از دستِ خویش
شکوۂ اعدا، نہ جورِ دشمناں آوردہ ام
المدد اے راہرو راہِ خدا ثم المدد
بسکہ دل بے تاب و جانِ ناتواں آوردہ ام
خواندہ باشی یا شنیدہ باشی از گویندگاں
حالِ بربادیٔ ما کاندر بیاں آوردہ ام

آبِ جہلم جملہ اسباب و متاعِ ما زبود
خویشتن را بردرت بے خانماں آوردہ ام

گر مزاجِ من بہ بینی سرد یابی ہمچو برف
ور شناسی طبعِ من برقِ طپاں آوردہ ام

ہم چنیں آوَرد نزدِ شاہ خود وقتِ "نشاط"
من "بعہد چوں تو شاہے" ہم چناں آوردہ ام

من کہ بُودم بے دماغ از نکہتِ گلہائے تر
گلبنِ پژمردہ سُوئے بوستاں آوردہ ام

کے تواں گفتن کہ گنجِ شائیگاں آوردہ ام
اُشترِ فلفل سوئے ہندوستاں آوردہ ام

تا بکے تکرارِ ایں آوردہ آں آوردہ ام
التجاء بردعائے راستاں آوردہ ام

ہر چہ آوردم برائے امتحانِ بختِ خویش
نے برائے امتحانِ شاعراں آوردہ ام

مولدم "رہتاس" و نامِ من حسن رضا ابن گلاب
ایں قدر کافی ست کز نام و نشاں آوردہ ام

اور

آنے والے آ گئے جائیں گے اور — جو نہیں آئے ابھی آئیں گے اور
ہم نے پایا غیر کا کھویا ہُوا — ہم جو کھوئیں گے اُسے پائیں گے اور
دوسروں کے ہم نے کھائے پھول پھل — اب ہمارے باغ کے کھائیں گے اور
اور کھاتے تھے تو شرماتے تھے ہم — آج ہم کھائیں گے شرمائیں گے اور
غفلتوں پر اپنی پچھتاتے ہیں ہم — جو نہیں سمجھیں گے پچھتائیں گے اور
کیا ترستے ہو بتوں کے واسطے — جس قدر ترسو گے ترسائیں گے اور
بُت جہنم میں گرائے جائیں گے — جانے والے خلد میں جائیں گے اور
روکتے ہیں یہ خدا کی راہ سے — ان کے پیرو ٹھوکریں کھائیں گے اور
رکھیں گے ان سے جو اُمیدِ شفا — درد میں پہلے سے بڑھ جائیں گے اور
آنے والا ابنِ مریم آ چکا! — آسماں سے جھوٹ ہے آئیں گے اور
اب تو منکر دل میں پچھتاتے ہیں پھر — دستِ حسرت مل کے پچھتائیں گے اور
حسبِ طاقت بزم گرمایا کئے — گر رہے زندہ تو گرمائیں گے اور
ہم سے جتنا ہو سکا گرما چکے — اور گرمائیں گے جب آئیں گے اور
جس طرح ہم سہہ گئے ہیں سرد و گرم — سہتے سہتے یونہی سہہ جائیں گے اور
آ گئے پہلے مبلّغ قادیاں — قادیاں سے اب نئے جائیں گے اور
کتنے آئے قادیاں کتنے گئے — جو نہیں پہنچے ابھی آئیں گے اور

بس حسن اُکتا چلے ہیں یار لوگ — اب جو بولو گے تو اُکتائیں گے اور
سننے والے منہ سے بس کہتے نہیں — تم کرو گے بس وہ فرمائیں گے اور
آج ہے وَیلکم محمد یار کی
ہو گی کل اوروں کی جب آئیں گے اور

جوہرِ خاکی

وُہی ہے جوہرِ خاکی کہ جس میں خاکساری ہو
تواضع، علم و شفقت، انکساری بُردباری ہو
کسی محفل کا ممبر ہو کہ صدرِ چار یاری ہو
کوئی صوفی ہو مفتی ہو کوئی حافظ و قاری ہو
دیانت، زہد و تقویٰ اور آئینِ شجاعت ہو
اُویسی، بایزیدی، بوذری ہو ذوالفقاری ہو
گرفتارِ بلا کو دیکھتے ہی یُوں پگھل جائے
کہ دل میں درد، اشک آنکھوں میں لب پر بیقراری ہو
محبت لازمی ہو اور عداوت اختیاری ہو
غرض ہر فعل و حرکت ہر ادا اس کی پیاری ہو
کوئی جو پاک دل ہو وے دل و جاں اُس پہ قرباں ہے
اگرچہ جبہ و دستار و پیراہن سے عاری ہو

ادھر ملحوظ احکامِ خدا کی پاسداری ہو
اُدھر مدِ نظر مخلوق کی خدمت گذاری ہو
طبیعت اس کی پاکیزہ ہو بُوئے بے وفائی سے
مگر خُوئے وفاداری بشرطِ استواری ہو
نہ چھوٹے دامنِ یارِ حقیقی رنج و راحت میں
وصال و وصل کی شب یا شبِ اختر شماری ہو
یہ خاکی اپنی فطرت کو نہ چھوڑے آزمائش پر
مقابل میں بلا سے کوئی نخدی ہو کہ ناری ہو
حسن جس میں نہ ہوں یہ خوبیاں فطرت کا دشمن ہے
سمرقندی ہو تاتاری ہو بلخی یا بخاری ہو

ڈیرہ بابا نانک پہنچکر

پہنچا کوئی یاں تک کوئی واں تک پہنچا
اتفاقاً کئی پہنچے میں اچانک پہنچا
یہ وہ ڈیرہ ہے حسن جس میں مہاراج گرو
چولا اسلام کا پہنے ہوئے نانک پہنچا

سلور جوبلی

ہے حمد و نعت کے پیچھے یہ فرضِ انسانی
کہ ہو زبان پہ جاری حدیثِ سلطانی
قسم خدا کی سمجھنا نہ اس کو لسّانی
میرے سخن پہ ہے شاہد کلامِ ربّانی
ہے فرض ان کی اطاعت بنوعِ انسانی
جنہیں فلک نے ہو بخشی سپاہ سامانی
وہ جن کی آگ نے پانی میں جوش دکھلا کر
ملا دیئے ہیں بہم شہری و بیابانی
بچشمِ غور تو دیکھو کہ اہلِ انگلستاں
ہیں کیسے شکل و شباہت میں خلقِ لاثانی
رُخِ فلک پہ ہوں جیسے ستارے روشن یہ
زمیں کے مُنہ پہ درخشاں نجومِ نورانی
ذرا بتایئے کس نے زمانہ میں کی ہے
عوض زباں کے کبھی ہاتھوں سے سخن رانی
کبھی سنا تھا کسی نے کہ چند پیسوں میں
مزاجِ یار کی آئے خبر بآسانی

دوا کے ساتھ غذا بھی کہیں پہ ملتی ہے
ذرا بتایئے تو کوئی طبیب یونانی
کہاں یہ دیکھا ہے بللہ مجھے بھی دکھلائیں
کہ ایک گھاٹ پہ پیتے ہیں شیر و بُز پانی
اسی زمین کو دیکھو کہ نونہالوں سے
زمینِ مردہ بنی گلشنِ دبستانی
سماں بندھا ہے یہ کیوں ایسا جانتے بھی ہو
گڑا ہے سامنے دیکھو فلیگ سلطانی
اسی فلیگ کے سایہ میں آج بندہ نے
حضورِ نیّر و شبنم میں کی غزل خوانی
غرض شمار سے باہر ہوں جن کے احسانات
ہے ان کے گیت کا گانا اصولِ ایمانی
اسی غرض کے لئے آج آئے میداں میں
کئی زمانہ کے جامی، نظامی، خاقانی
کہ تا کلام سے اپنے وہ اہلِ مجلس کو
دکھائیں شوکتِ انگلش کی بزمِ سلطانی
وہ جن کے عہد میں دارالاماں کی بستی ہیں
خدا کے فضل سے آیا طبیب رُوحانی

زہے نصیب مبارک ہو جوبلی کا دن
کہ ہر زباں میں ہے شیرینیٔ غزل خوانی
سلام کرکے حسنؔ اب خموش ہو جاؤ
زیادہ اچھا نہیں دعوئے ہمہ دانی

اقبالؔ، حسنؔ

دربدر آوارہ و بے کار باش — رختِ فتنہ پوش و در بازار باش
قوم چوں بیدار باشد تو بخسپ — چوں بخسپد قوم تو بیدار باش
کاربندِ قشقہ و زنّار شو — زرد پوش و خالصہ سردار باش
کاذب و کذاب باش و مفتری — حیلہ ساز و حیلہ جو مکار باش
پُر حذر شو از صفِ کرپانیاں — با شریفاں برسرِ پیکار باش
گر بیفتد "مسجدے" پروا مکن — تو بفکرِ درہم و دینار باش
تا شکستِ کو نسلے آمد بدست — غور کن در مشتری ہشیار باش
زیں مہماتِ عظیمہ فرصتے — عزم بیت اللہ کن زوّار باش
از خدا ہم از نبی بیزار باش — در ہمہ اوصاف برخوردار باش
چوں شوی کامل بہر نوعِ کمال — بر جہاد قادیاں تیار باش
تا توانی با جماعت یار باش
"رونقِ ہنگامۂ احرار باش" (اقبال)

مدار

حاکم کا اپنے در کے ہے دربان پر مدار!
محکوم کا اگر ہے تو ہے جان پر مدار
درویش بے نوا کا ہے اک نان پر مدار
بگڑے ہوئے امیر کا اک پان پر مدار
احرار کا مجاہد واحسان پر مدار
اور خالصہ جو ان کا کرپان پر مدار
امن و اماں کے بندوں کا تکیہ خدا پہ ہے
فتنہ فساد والوں کا شیطان پر مدار
کیا جانے وہ تجلّیٔ دیدار کی جھلک
جس کا ہو خُلد و حُور پر غلمان پر مدار
مذہب ہی کیا وہ جس میں ہوں قصے کہانیاں
دعوؤں پہ انحصار ہو گردان پر مدار
مذہب وہ سچّا دین وہ پکا ہے جس کی ہو
بنیاد تو نشان پہ - برہان پہ مدار
یہ موہبت ہے کسب کا اس میں نہیں ہے دخل
اس واسطے حسنؔ کا ہے رحمان پہ مدار

مسلماں در گور و مسلمانی در کتاب

اُدھر معروف رہتے ہیں جواں اپنے شبابوں میں
اِدھر بوڑھے پھنسا بیٹھے ہیں دل وسموں خضابوں میں

اُلجھ بیٹھے ہیں کچھ ناداں شرابوں اور کبابوں میں
تلاشِ آبِ شیریں کرتے پھرتے ہیں سرابوں میں

نظر آتے ہیں کچھ پھرتے ہوئے حکام کے در پر
جو اپنی بہتری پاتے ہیں سرکاری خطابوں میں

یہاں کچھ صوفیانِ باصفا خاموش بیٹھے ہیں
وہاں کچھ اہلِ مکتب ہیں سوالوں اور جوابوں میں

کہیں کچھ بی بیاں بے پردہ دیکھیں چشمِ اکبر نے
کہ جن کے مرد عقلوں کو چھپائے تھے نقابوں میں

اِدھر ہم ہیں کہ وقفِ نالہ و گریہ و زاری ہیں
اُدھر وہ ہیں کہ سنتے ہی نہیں چنگوں رُبابوں میں

گئی طفلی، جوانی بھی مٹی۔ پیری پکار اُٹھی
کتابِ زندگی تیری بٹی تھی تین بابوں میں

حسنؔ دیکھو برابر ہو گئے زاغ و زغن شاہیں
نہیں کچھ فرق اب باقی عقابوں اور غرابوں میں

تعجب کیا جو اس ماحول میں کوئی پکار اُٹھے
مسلماں گور میں ہیں اور مسلمانی کتابوں میں

مسجد شہید گنج لاہور

خبر بادِ صبا دنیا کے کانوں تک یہ لائی ہے
کسی بے درد نے لاہور میں مسجد گرائی ہے

تعجب ہے گورو کے ماننے والے جفاجو ہوں
موحد نے بغل میں ظلم کی مورت دبائی ہے

نہ کچھ پاسِ رواداری نہ کچھ خوفِ دل آزاری
نہ یہ تہذیب نانک نے ہی سکھوں کو سکھائی ہے

تری دنیا میں رہ کر تیرے ہی گھر کو مٹا دینا
شجاعت یہ انوکھی اور اُلٹی سورمائی ہے

کوئی فرعونی، نمرودی ہو عادی یا ثمودی ہو
مقابل پہ ترے جو جب بھی آیا منہ کی کھائی ہے

بغاوت سے تجھے معلوم ہے ہم دُور رہتے ہیں
کہ مسلک اپنا ہر اک حال میں صلح و صفائی ہے

ترے گھر کی خرابی کو مگر ہم سہہ نہیں سکتے
ہمارے دل میں عظمت اس کی خود تم نے بٹھائی ہے

ادھر مسجد اُدھر پبلک یہاں مقصود ووٹیں ہیں
کروڑوں کے نمائندوں کی جاں قرضہ میں آئی ہے

جو تھے بامِ تکبّر پر گرے چاہِ مذلّت میں
یہ ہے آوازِ لاٹھی رنگ ابھی ہلکا سا لائی ہے

خطا غیروں کی تھی لیکن مصیبت ہم پہ آئی ہے
ذرا جلدی پہنچنا ساعتِ مشکل کشائی ہے

میں جب اس شعر پر پہنچا کہا ہاتف نے "لاتحزن"
یہ ہے اک ابتلا جس میں تری صبر آزمائی ہے

"بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے"
مثل مشہور ہے اُوپر خدا نیچے خدائی ہے

تعجب کیا کہ نانک کا فدائی راہ پہ آجائے
کہ مخلص خالصہ مسلم کا پھر توحید بھائی ہے

یہ تیزی اور تندی اس کی لیکن عارضی سی ہے
وگرنہ آب و گِل اس کے بدن کا ایشیائی ہے

حسنؔ سے یار مل نے مل کر جب متاعِ خوش بہا لوٹی
نہ تھا جس جنس کا گاہک ترے حصّہ میں آئی ہے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کا فوٹو دیکھ کر

کیا ہے زندہ مُردوں کو تری تقریر کہتی ہے
قلم کا پادشاہ ہے تو تری تحریر کہتی ہے

ادیبوں نے تری تفسیر جب دیکھی تو بول اُٹھے
خدا تجھ سے لکھاتا ہے تری تفسیر کہتی ہے

تری تبلیغ پہنچے گی زمیں کے سب کناروں تک
یہی تدبیر کہتی ہے یہی تقدیر کہتی ہے

مسیحِ وقت و مہدی، اُمّتی بھی ہے "نبی" بھی ہے
ترا انداز کہتا ہے تری تبشیر کہتی ہے

حدیثوں میں جو حُلیہ ہے ملا لے تجھ سے جو چاہے
اُدھر ہیں مخبرِ صادق اِدھر تصویر کہتی ہے

محبّت کے جو قیدی ہیں نہ چھوٹیں گے وہ جیتے جی
حسنؔ کے پاؤں کی ہردم یہی زنجیر کہتی ہے

الفضل ۲۲ اکتوبر ۳۷ء

"اِنِّی مَعَک" کا مُژدہ

ہے سلسلہ کے ان دنوں سرکار بھی خلاف
کچھ کچھ ہیں اس کے یار و مددگار بھی خلاف

ہیں آریہ بھی غیظ و غضب ۔ رنج کے شکار
آزاد اپنے زعم میں ۔ احرار بھی خلاف

اور واہگورو کے خالصہ سردار بھی خلاف
مغرور اپنے یار بھی ۔ اغیار بھی خلاف

عیسائی صاحبان کی جب دیکھتے ہیں ہم
رفتار بھی خلاف ہے گفتار بھی خلاف

دامن کو ہو نہ شکوہ گریباں سے گرچہ آج
ٹوپی خلاف جبّہ و دستار بھی خلاف

دُنیا بھی ہو خلاف تو کچھ غم نہیں ہمیں
"اِنِّی مَعَک" کا مژدہ حسن کم نہیں ہمیں

کچھ نہ کچھ

زندہ ہے جب تک کیا کر کچھ نہ کچھ — اس کئے سے پھر دیا کر کچھ نہ کچھ
جو ملے کھاپی مگر اے جانِ من — ساتھ بھی اپنے لیا کر کچھ نہ کچھ

"امن است در مکانِ محبت سرائے ما"

از بسکہ ہست اکبر و اعلیٰ خدائے ما
بعد از خدا بزرگ ترین مصطفائے ما

آں مہدی و مسیح زماں میرزائے ما
وآں نورِ دیں ۔ کہ بود دواءِ شفائے ما

محمود میرزا ۔ ز دل و جاں فدائے ما
بہتر ز نیک و گر ہمہ صبح و مسائے ما

اے شاکی ؟ زمانہ بیا پیش ما نشیں
"امن است در مکانِ محبت سرائے ما"

مسیحائے زماں کی شان

مسیحائے زماں نے جب دکھائی — جمالی اور کبھی شان جلالی
نئی کر دی زمیں بھی آسماں بھی — بدل ڈالے وہ ایام ولیالی
جنوبی ۔ مشرقی ۔ غربی ۔ شمالی — فرانسیسی ۔ سپینی ۔ پرتگالی
کمالات اس کے جب دیکھے تو فوراً — پکار اُٹھے حسن قالی وحالی

جَمِیعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْآنِ لٰکِن
تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

خدا سے نہیں بڑھ کے کوئی رفیق — وہی ہے ہر اک خستہ دل کا شفیق
اسی نے کہا میرزا سے۔ نہ گھبرا — کہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق

اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَکَ

ارادہ کریں جو اہانت کا تیری — سُنا دو انہیں حکم اِنِّیْ مُهِیْن
شرارت سے گر باز آئیں نہ اب بھی — فَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن

غلام احمد کی جے

مخمصے سارے ہوئے جاتے ہی طے — لَمْ۔ لِمَ اور لَا نُسَلِّمْ تا بکے
بول اُٹھا سارا زمانہ تو بھی بول — اس جری اللہ "غلام احمد کی جے"

اسمہٗ احمد

ہے زبانوں پہ سُو بہ سُو احمدؐ — اور کانوں میں کُو بہ کُو احمد
اس کا آنا ہے کس طرح ممکن — کہہ گیا ہو جو اسمہٗ احمد

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ

ابیض۔ اسود۔ احمر۔ اصفر — سب کی آنکھ لگی ہے اس پر
جس ساقی کی شان میں آیا — اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر

اِنِّیْ مَعَکَ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بے شبہ و شک — فیض ہے ہموار اس کا لِیْ وَ لَکْ
میرزا سے بارہا جس نے کہا — رات دن اِنِّیْ مَعَکْ اِنِّیْ مَعَکْ

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ

خدا کی راہ میں دریا صفت بہتے چلے جاؤ
ہر اک رنج و الم جور و جفا سہتے چلے جاؤ
کناروں تک زمیں کے گر تمہیں تبلیغ کرنا ہے
"اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ" کہتے چلے جاؤ

اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ

موت کے منہ میں ہے وہ جنگ آزما — زد میں جو دشمن کی ہو پھر بے سپر
اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ جب سن لیا — اس سے ٹلنے کے لئے جنبش نہ کر

تائی آئی

(الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام)

یہ الہام اس طرح پورا ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بھاوج اور جناب میرزا غلام قادر صاحب کی اہلیہ جو ایک عرصہ تک سخت مخالف رہیں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے عہد میں حضور کے ہاتھ پر بیعت کرکے احمدیت میں داخل ہوئیں۔

تیرے وعدے کے مطابق تیرے مامور کے پاس
چل کے دنیا کے کناروں سے خدائی آئی
جس کے آنے کی خبر عہدِ نبوّت میں ملی
تائی والے کی خلافت میں وہ "تائی آئی"

دُنیا کے کناروں تک

حصاروں ریگ زاروں، کوہساروں آبشاروں تک
پیاروں، جاں نثاروں، تاجداروں خاکساروں تک
غرض پورب سے پچھم تک اُدھر اُتر سے تا دکھن
تری تبلیغ پہنچاؤں گا دُنیا کے کناروں تک

تاج و تخت حضرت مسیح موعودؑ

مجھ کو کیا تختوں سے میرا تخت ہے فوق السماء
مجھ کو کیا فوجوں سے میری فوج ہے عونِ خدا
مجھ کو کیا تیغوں سے میری تیغ ہے صدق و صفا
مجھ کو کیا ڈھالوں سے میری ڈھال ہے اُسکی رضا
مجھ کو کیا توپوں سے میری توپ ہے میری دُعا
مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا
"مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار"

"ایلی ایلی لما سبقتانی"

وہ جو عیسیٰؑ کو مانتے ہیں خدا — مجھ کو آتی ہے ان پہ حیرانی
وہ خدا تھا تو کس سے کہتا تھا — ایلی ایلی لما سبقتانی

ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت

جنت کہ جس کی سمت لگی سب کی ٹشست ہے
دوزخ سے حق بچائے کہ اک جائے زِشت ہے
فرما گئے ہیں سرورِ عالم حدیث میں
سُن لو کہ ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

دو گواہ

بے کلی کی کیفیت جا کر کسی بیکل سے پوچھ — دیدۂ معشوق کی سفاکیاں کاجل سے پوچھ
مرزا کی زندگی کے دو گواہ تھے ہمعصر — شرمپت تو مر چکا ہے اب ملاوامل سے پوچھ

مردِ مومن

دکھلائے جو دلِ مومن مسلماں ہو نہیں سکتا
کہ چیتا گوسپندوں کا نگہباں ہو نہیں سکتا
خدا نے مردِ مومن کو خریدا دو جہاں دے کر
گراں تر تو یہ ہو سکتا ہے ارزاں ہو نہیں سکتا

موافق جن کو برحق "مصلح موعود" کہتے ہیں
بُرا جن کو مخالف بے سبب بے سود کہتے ہیں
حسنؔ تم سے کوئی پوچھے کہاں ہیں وہ تو یوں کہہ دو
یہی تو ہیں جنہیں فضلِ عمر محمود کہتے ہیں

مرزا یا جانشینِ مرزا کے سامنے
جو جفا جو بھی ہوا ہو گا قضا کے سامنے

دعائے مستجاب

دیدۂ خونبار ہوں دل ہو کباب
اور حواس و ہوش کا خانہ خراب
اس طرح کی جائے جو۔ جائز دعا
کیا عجب یہ ہو دعائے مستجاب

محدود اور غیر محدود

شان و شوکت تیری محدود نہ عظمت محدود
رحم محدود نہ رأفت نہ ہی رحمت محدود
وہ جو محدود ہے تجھ تک وہ الوہیت ہے
نہ ولایت نہ نبوت نہ خلافت محدود

حزب اللہ

یوں تو ہر ایک پہ ہے عام عنایت تیری
برگزیدوں سے مگر خاص ہے عادت تیری
چشمِ اغیار سے ممکن ہے نہاں ہو لیکن
تجھ سے پوشیدہ نہیں جو ہے جماعت تیری

دُعائے خاص

خدائے پاک تو کر دے مخالفین سے پاک
ہر ایک قسم کے مفسد معاندین سے پاک
وہ گھر کہ تو نے "محبت بھرا کہا ہے جسے
بڑا کرم ہو جو کر دے منافقین سے پاک

وَاللّٰہُ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ

حمد زیبا ہے برائے ذاتِ ربُّ العالمین
جس کی ہے ہر ایک ذرّے پر نگاہِ دُوربیں
غیر کے در سے تلاشِ رزق وہ کیونکر کریں
جن کا رازق خود کہے وَاللّٰہُ خَیْرُ الرَّازِقِیْن

نذیر آیا

اک نذیر آیا لئے تیرا پیام
مصطفیٰؐ نے جس پہ فرمایا سلام
اس کو جھٹلایا کئے دنیا کے لوگ
جان کر تجھ کو عزیزٌ ذو انتقام

بانسری والا کرشنا

خبر تھی جس کے آنے کی وہ مردِ باخدا آیا
وہ تھا تو اُمّتی پر در لباسِ انبیاء آیا
کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب و ابراہیم
کبھی وہ بانسری والا کرشنا میرزا آیا

صدیق کے مسند نشین

نبیؐ کی آنکھ کے تارے بھی نبیوں کے قمر بھی ہیں
نبوت کے شجر کی شاخ کے گُل بھی ثمر بھی ہیں
صفِ باطل کہاں ٹھہرے حسنؔ محمود کے آگے
کہ یہ صدیق کے مسند نشینؓ فضلِ عمرؓ بھی ہیں

ہماری عید

علیٰ قدرِ مراتب سب کو فکرِ ساز و ساماں ہے
ہماری عید مہمانِ نظیرِ حسن و احساں" ہے
حسنؔ اوجِ فلک پر ہم ہلالِ عید کیوں ڈھونڈیں
"قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

دین کے شہزادے

دین کے شہزادوں کو اور ایماں کے دلدادوں کو دیکھ
گر نہیں دیکھا نبی کو تو نبی زادوں کو دیکھ
دیکھ ان کے دشمنوں کو دیکھ پر یہ شرط ہے
غور سے ان نامرادوں خانہ بربادوں کو دیکھ

مکتبِ اُمّی کے مبتدی

جو آئے مکتبِ اُمّی میں طفلِ مبتدی ہو کر
وہ ہر مضموں میں باتعریف نکلے منتہی ہو کر
حسنؔ تم سے کوئی پوچھے کہ وہ کیسے تو یوں کہدو
شہید و صالح و صدیق ہو کر اور "نبی" ہو کر

اُمّتی نبی

جو آئے ابتداء میں رونقِ غارِ حرا ہو کر
گئے واپس نبی گر اور ختم الانبیاء ہو کر
کوئی ہو اُمّتی کامل تو پا جائے نبوّت بھی
"نبی" امت سے خارج ہو اگر آئے جدا ہو کر

آمنہ رضی اللہ عنہا کا لال

نمایاں جو ہوئے تھے ایک صبح مل گُت ہو کر
چراغِ آمنہ رضی اللہ عنہا۔ اور مشعلِ غارِ حرا ہو کر
نہاں ہونے سے پہلے کر گئے کونین کو روشن
اِدھر بدر الدّجےٰ ہو کر اُدھر شمس الضُّحیٰ ہو کر

میرزا کے پنج تن

میرزا کے پنج تن ہیں آیتِ پروردگار
ہیں یہ نسلِ سیّدہ اور اک نشانِ پائدار
ہاں سنبھل جا وقت ہے ان کی دلآزاری نہ کر
ورنہ دیکھے گا چمک "زلزلے کی پنج بار"

نبوّت مسیح موعود علیہ السّلام

آنے والے کی نبوت اس طرح ہے آشکار
جس طرح ہو ماہِ کامل یا خورِ نصف النّہار
منکروں پر ہے یہ قولِ میرزا حجّت حسنؔ
دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

زلزلے

وہ جو رکھتے تھے دلوں میں ولولے   اور ویوں بھی تھے بہت ہی منچلے
دفعتہً رخصت ہوئے انکے حواس   پے بہ پے آنے لگے جب زلزلے

گذرگاہِ شہاں

قادیاں دارالاماں اے بوستانِ بے خزاں
نازشِ پنجاب فخرِ کشورِ ہندوستاں
بیت گاہِ غریباں آج کہتے ہیں تجھے
وقت آتا ہے کہ تو ہوگا گذرگاہِ شہاں

ہمارا یوسف

چاہِ کنعاں میں بھائیوں نے اُتارا یوسفؑ
وہ جو یعقوب کی تھا آنکھ کا تارا یوسفؑ
ہم کو اک اور ملا فرق ہے فی الحال یہی
وہ نبی تھا یہ نبی زادہ ہمارا یوسف

بزمِ احمد

بزمِ احمد میں مہاجر بھی ہیں انصار بھی ہیں
راہِ مولےٰ میں فدا ہونے کو تیار بھی ہیں
غوث و اقطاب پہ ابدال پہ موقوف نہیں
کچھ حسنؔ جیسے گنہ گار سیاہ کار بھی ہیں

"میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا"

عدل و انصاف کا تھا عہد نہ یہ جور کا وقت
غوش نصیبوں کو ملا کرتا ہے اس طور کا وقت
غور کر غور کہ ہے تیرے یہی غور کا وقت
"وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا"

خُدا اور خُدائی

وہ بھی کوئی زمیں ہے کہ جس پر سماں نہ ہو   یا وہ بھی کوئی درد ہے جسکی دوا نہ ہو
ایسا اگر نہیں تو یہ ممکن ہے کس طرح   موجود ہو خدائی تو لیکن خدا نہ ہو

"فضلِ عمر"

اے امیر المومنیں۔ فضلِ عمر۔ فرّخ تبار
دیدہ و دِل پر ترے نُورِ خلافت آشکار
پر تجھے ابنائے ظلمت دیکھ سکتے کس طرح
از دو چشمِ شپّراں۔ پنہاں خُورِ نصف النہار

محبتِ الٰہی

دُنیا کے آب و گِل میں نہ ہرگز پھنساؤ دل
ایسا نہ ہو کہ اُٹھ سکے جب اُٹھاؤ دل
انجامِ حُبِّ غیر فنا کا پیام ہے
سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل

اہلِ درد

درد ہی توپ و تفنگِ عسکرانِ اہلِ درد
درد ہی شمشیر و تیغِ لشکرانِ اہلِ درد
درد ہی جوشن سپر۔ طبل و جرس اور کوس بھی
درد ہی اس نے بنایا ہے نشانِ اہلِ درد

(۲)

درد ہی تیر و کماں۔ تیغ و سنانِ اہلِ درد
درد ہی بانگِ درائے کاروانِ اہلِ درد
ناخدایا با خدایا خود خدا سے پوچھ لے
درد ہی اس نے بنایا ہے نشانِ اہلِ درد

(۳)

درد ہی رُوحِ روانِ کاروانِ اہلِ درد
درد ہی شایانِ شانِ آن و بانِ اہلِ درد
گر نہ ہو باور تو جا۔ درد آفریں سے پوچھ لے
درد ہی اس نے بنایا ہے نشانِ اہلِ درد

ترقی کی راہ

بجاتے ہیں جو ساحل پر ہی تالی
وہ گھر کو لوٹتے ہیں ہاتھ خالی
نہ ہو باور جسے سُن لے حسن سے
یَغُوصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِی

حامیٔ احمدیت

کبھی احمدیت کے حامی تھے کیسے
بگڑنے سے پہلے پیامی تھے کیسے
زمیں جانتی ہے فلک جانتا ہے
مٹے نام جن کے وہ نامی تھے کیسے

کوثرِ نبوّت

جنہوں نے شاہِ بطحا کی فضیلت کو نہیں سمجھا
یقیناً امتیازِ خود بدولت کو نہیں سمجھا
محمدؐ مصطفٰے کو جو معاذ اللہ کہیں ابتر
انہوں نے کوثرِ ختمِ نبوت کو نہیں سمجھا

احمدیّت

جن علاموں نے اب تک احمدیت کو نہیں سمجھا
نبیؐ کے بعثِ ثانی کی حقیقت کو نہیں سمجھا
ابھی تک جو مزاجِ احمدیت کو نہیں سمجھے
انہوں نے احمدی کی بھی طبیعت کو نہیں سمجھا

خادمِ احمدؐ

خادمِ احمدؐ کو جب تو نے مسیحا کر دیا
حامیٔ تثلیث چیخ اُٹھے کہ یہ کیا کر دیا
جن کے آنے کی توقع تھی ہمیں افلاک سے
قادیاں کی خاک سے کیسے ہویدا کر دیا

(۲)

خادمِ احمد کو جب تو نے مسیحا کر دیا
عقل کے اندھے پکار اُٹھے کہ یہ کیا کر دیا
خاںؔ تھے، افغاںؔ تھے نواب تھے سادات تھے
سب پہ پانی پھیر کر کیوں ایک مرزا کر دیا

ربّ نوازی

عشاق کو نیاز۔ بتوں کو جو ناز دے
تائب کو پھر توبہ دے۔ توبہ باز دے
کیا دُور ایک بندۂ بے برگ و ساز کو
بے حد و بے حساب مرا رب نواز دے

خُدایا ناخُدا

کسی کو ناز ہے تیغِ جفا پر
کسی کو رات کے تیرِ دُعا پر
بھروسہ کس پہ بہتر ہے بتا دے
کوئی مجھ کو۔ خدایا ناخدا پر

ابنِ مسیحا کی دُعا

قادیاں ! مانا تری آب و ہوا اچھی ہے
رات دن اچھے تری صبح و مسا اچھی ہے
لیکن اک چیز جو نایاب ہے دنیا بھر میں
وہ ترے ابنِ مسیحا کی دُعا اچھی ہے

تاجدارِ انبیاء

حرزِ جسم و جاں ہے نامِ تاجدارِ انبیاء
تا ابد جاری مدامِ تاجدارِ انبیاء
قوتِ قدسی تو دیکھو بڑھ گیا ہر شان میں
ابنِ مریم سے غلامِ تاجدارِ انبیاء

یتیمِ بے نوا

نمایاں جو ہوئے تھے ہاں یتیمِ بے نوا ہو کر
اور اک مدت کے پیچھے جاذبِ جور و جفا ہو کر
حسن وہ رحمۃً للعالمیں لوٹے سوئے مولیٰ
شہِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا ہو کر

وفاتِ مسیحؑ

شل ہوئے دست و زباں ٹوٹے قلم
ہو گئی سنتے ہی ان کی پشت خم
جب انہوں نے سن لیا اتنا سخن
"ابنِ مریم مر گیا حق کی قسم"
اب تو ٹوٹا ان کے اوپر کوہِ غم
آتے آتے رک گیا سینے میں دم
اتفاقاً" کہہ رہا تھا جب حسن
"داخلِ جنت ہوا وہ محترم"

خدا کی خدائی

کوٹ پتلون ہے کالر ہے نہ ٹائی اپنی
گولڈن واچ سے واقف نہ کلائی اپنی
بستر اپنا ہے نہ تکیہ نہ رضائی اپنی
چند اشعار زباں پر ہیں کمائی اپنی
ہاں مگر دل کو تسلی ہے کہ سنتے ہیں حسن
ہو خدا اپنا تو ہے ساری خدائی اپنی

قادیان

قادیاں تو درس گاہِ علم القرآن ہے
بحرِ ناپیدا کنارِ علم و العرفان ہے
تیرے اجزائے عناصر کہہ رہے ہیں صاف صاف
"ق" ہے قرآن کا باقی جو ہے ادیان ہے

جورُو پر طلاق

وہ جو کہتے تھے کبھی منبر پہ باصد طمطراق
قادیاں مت جاؤ پڑ جائے گی جورُو پر طلاق
میں نے پوچھا اب کہاں ہے آپ کا فتویٰ جناب
ہنس کے بولے حسبِ عادت رکھدیا بالائے طاق

مُباہلہ کا پیالہ

لگانا مُنہ سے کسی بوالہوس کا کام نہیں
مباہلہ کا پیالہ ہے ۔ مے کا جام نہیں
نہ خوفِ پرسشِ قاضی نہ محتسب کا خطر
یہ ایسی مے ہے شریعت میں جو حرام نہیں

دارالاماں کی صبح

ہنگامہ خیز مانا کہ ہے کارواں کی صبح
جاں بخش فصلِ گُل میں ہے گو بوستاں کی صبح
انوارِ حق برستے جو ہوں دیکھنے تجھے
آ دیکھو قادیان اور دارالاماں کی صبح

خَاتَمُ النَّبِیّیْن

مُحمدؐ مصطفٰےؐ فخرِ دو عالم
مکرّم اور معظّم اور مُسلّم
نہیں خود ختم لیکن انبیاء کے
ہمیشہ کے لئے ہیں آپ خاتم

سُوفارِ دُعا

جب وِرد سے کرتے ہیں دُعا یارِ خدا کے
اور کھولتے ہیں پیشِ خدا بندِ قبا کے
کرتے ہیں فنا لشکرِ اشرار کو ان کے
اشکوں میں بجھائے ہوئے سُوفارِ دعا کے

خُدا کے شیر

کھول آنکھیں ہوش کر کہتے ہیں تجھ سے بار بار
ہم خدا کے شیر ہیں اس کی کنار اپنی کچھار
جب تجھے معلوم ہے شیروں کے بچے شیر ہیں
"ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبۂ زار و نزار"

خُدائی قانون

ہو گڑھے میں کوئی یا بالائے بام
یا کہیں بھی دشمنِ خیرُ الانام
ایک ہی قانون کے نیچے ہیں سب
ڈوئی ہو آتھم ہو یا ہو لیکھرام

بنتِ عمران کا پسر

وہ مسیحا جو بشر تھا اور اک پیغامبر
ناصرہ کا رہنے والا بنتِ عمراں کا پسر
بے پدر ہونے سے گر اس کو خدا کہیے حسنؔ
پھر اسے کیا کہیے ہو جس کا نہ مادر نے پدر

خُدا تک رسائی

ہم نے مانا کہ کوئی آبِ بقاء تک پہنچا
کوئی زیپلن میں اُڑا اُڑ کے سما تک پہنچا
یوں بھی پہنچے ہیں بہت دُور پہنچنے والے
پہنچا اس شخص کو کہیے جو خدا تک پہنچا

فضلِ عمر کا دیوانہ

لذّتِ دردِ فراقِ شمع پروانے سے پوچھ
گیر و دارِ بے خودی ہشیار و مستانے سے پوچھ
عظمتِ "دارالاماں" اور شوکتِ "فضلِ عمر"
یا حسنؔ سے یا کسی ایسے ہی دیوانے سے پوچھ

دُرِّ مقصود

ایازوں میں مقامِ فخر ہے محمود بیٹھے ہیں
نظیرِ "حُسن و احساں" مصلحِ موعود بیٹھے ہیں
حسنؔ بحرِ تفکر میں تری غوطہ زنی کیسی
کہ جب سطحِ زمیں پر ہی دُرِّ مقصود بیٹھے ہیں

طالب و مطلوب

ہوں گے ممکن ہے کہیں ناز و ادا کے طالب
یا کہیں جور و جفا مہر و وفا کے طالب
تیری دنیا میں ہے ہر شخص کا مطلوب جُدا
ہم تو تجھ سے ہیں فقط تیری رضا کے طالب

مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا

کسی کا دل دُکھاتے وقت دل ہی دل میں ڈر جانا
اگر کوئی دُکھائے دل تو ہنس کر ضبط کر جانا
یہی وہ زندگی ہے جس پہ مرتے ہیں خدا والے
اسی کو موت سے پہلے حسنؔ کہتے ہیں مر جانا

احمدؐ نگر

خالقِ ارض و سما اے بادشاہِ بحر و بر
تیرے بندوں پر ہے یکساں کیا سفر اور کیا حضر
ہم کو کیا تکلیف ہے نقلِ مکانی کے سوا
شہرِ احمدؐ سے نکالا اور دیا احمدؐ نگر

پروازِ طبیعت

جس نبی کے فیض کا چشمہ ہو بند
وہ نبوت فی زمانہ ہے پسند
کیا ذہانت ہے حسنؔ یادش بخیر
کتنا پروازِ طبیعت ہے بلند

محمود

جنہیں سنتے تھے کل موعود موعود
اُنہیں اب کہتے ہیں موجود موجود
حسنؔ وہ کون ہیں معلوم بھی ہے
یہی "فضلِ عمر" محمود - محمود

یادش بخیر

پہلے دنیا میں اک نذیر آیا
جانشیں جس کا ہم ضمیر آیا
پھر وہ یادش بخیر "فضلِ عمر"
"حُسن و احسان کا نظیر" آیا

امیر مبایعین و غیر مبایعین

اے کہ مے نازد خلافت بر تو بعد از نورِ دیں
واں یکے از نامرادی روز و شب اندوہگیں
درمیانِ تو و آں بعدیست بُعد المشرقین
تو امیر المومنینی آں امیر المنکرین

شیخ مصری

ہم نے جس کو آب سمجھا در حقیقت تھا سراب
زشتت روئی کھل گئی چہرے سے جب سرکا نقاب

راب سے مصری بنی تھی پھر بنی مصری سے راب
ایں کہ مے بینم بہ بیداریست یا الٰہی یا بخواب

بَین بَین

اس طرف "فضلِ عمرؓ" ہیں اس طرف فضلِ حسین
ماہرانِ علم و حکمت دین و دانش بَین بَین
شاعرانِ نکتہ سنج و شائقینِ نکتہ رس
کون سنتا ہے ہماری ط۔ ظ۔ ع۔ غ

مولانا جلال الدین شمسؔ

خدا کے دین کی دونوں جلال الدّین نشانی ہیں
ہے فرق اتنا کہ وہ رومی تھے اور یہ سیکھوانی ہیں

واپسی

خبر تھی جس کے آنے کی سمندر پار لندن سے
مسیحِ وقت کا پہنچا وہ خدمت گار لندن سے
یہ کہہ دو ہر گلی کوچہ میں جا کر ہر محلّہ میں
ہمارا یار آ پہنچا "محمد یار" لندن سے

هَلْ مِنْ مَّزِيْد

مختلف کھانوں کی فرمائش کرے گی تم سے عید
لیک فرمانِ خلیفہ مانعِ هَلْ مِنْ مَّزِيْد
دین کو دنیا پہ رکھنا ہے مقدّم گر تمہیں
چھوڑ دو گفت و شنید اور مت کرو قطع و برید

بے آواز لاٹھی

(حضرت مرزا شریف احمد صاحب پر لاٹھی سے حملہ کرنے والے کے متعلق)
اک ہستی ایسی ہستی ہے جس ہستی کا انباز نہیں
اور اس کے علم سے پوشیدہ کونین میں کوئی راز نہیں
او لاٹھی والے مت اترا۔ ہاں ڈر جا اس کی لاٹھی سے
وہ لاٹھی ایسی لاٹھی ہے جس کی لاٹھی میں آواز نہیں

ادارہ "الفضل" کے ارکان

چشمِ دنیا سے نہاں بھی ظاہر و باہر بھی ہیں
ہیں رحیم آپس میں پر کفار پر قاہر بھی ہیں

صحبتِ آقا میں رہ کر سب غلامانِ نبی
صابر و شاکر بھی ہیں اور طیّب و طاہر بھی ہیں

ربوۂ محمود

ربوۂ مکہ ہمارا اوّلین مقصود ہے
قادیاں دارالاماں پھر ربوۂ موعود ہے
ربوۂ ثالث جو ہم کو حق تعالیٰ نے دیا
وہ یہی ہے نام جس کا ربوۂ محمود ہے

داتا زید کا

وہ جو سرچشمہ ہے ہر اک آس کا امّید کا
ہو گیا آزاد جو قیدی ہے اس کی قید کا
کوئی بھی اس کی ربوبیت سے مستغنی نہیں
رب بکر کا بھی وہی ہے جو ہے داتا زید کا

شامتِ اعمال

شامتِ اعمال سے جو ہو چکے تھے پائمال
میرزا کے فیض سے جب ہو گئے آسودہ حال

"ہر زوالے را کمالی" اُن کی سمجھ میں آگیا
پر یہ ظالم بھول بیٹھے ہر کمالے را زوال

جوبلی نمبر

ادنیٰ ہو اعلیٰ ہو یا درمیانی جوبلی
جوبلی آئینِ دنیا کی ہے فانی جوبلی
جوبلی جس کی بنا ہو دین کے اُوپر حسنؔ
جوبلی وہ جوبلی ہے قادیانی جوبلی

خنجرِ خونخوار

ادھر ہم ہیں کہ ان کے مونس و غمخوار بیٹھے ہیں
اُدھر وہ ہیں کہ کھینچے خنجرِ خونخوار بیٹھے ہیں
نہیں جائز کسی کا مار دینا اپنے مذہب میں
رہا مرنا، سو مر جانے کو ہم تیار بیٹھے ہیں

ہدیہ تبریک الحکم

الحکم تھے مضطرب جس کے لئے سب شیخ و شاب
جب ہوا شائع تو دیکھا ھٰذہٖ شیئٌ عجابٌ

خود نہیں کہتا حسنؔ احمدؑ نبی کا ہے پیام
"قوم کے لوگو! ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب"
الحکم جو مدتوں سے منہ پہ ڈالے تھا نقاب
رونما آخر ہوا محفل میں با صد آب و تاب
پڑھ کے عرفانی کا عرفاں جی اُٹھا ہر مردہ دل
بول اُٹھا ہر زندہ دل یٰلیتنی کُنتُ تُراب

آدھا تیتر آدھا بٹیر

عقیدے اور عمل میں جس مؤحد کے دو رنگی ہو
حسنؔ ایسا مؤحد آدھا تیتر ہے بٹیر آدھا
وہ لیڈر ہو دو رنگی جس کے قول و فعل کے اندر
حسنؔ وہ ایسا لیڈر آدھا تیتر ہے بٹیر آدھا
نبوت مان کر احمدؑ کی جو انکار کر جائے
حسنؔ وہ احمدی بھی آدھا تیتر ہے بٹیر آدھا

بلب قلب

بلب کا تارِ نفس بگڑے تو جل جاتا ہے بلب
روشنی برق اس کے تن سے ہو جاتی ہے سلب

یونہی بجھ جاتی ہے اس جاندار کی شمعِ حیات
فیل ہوتا ہے کسی علت سے جس کا بلبِ قلب
جب کسی صدمے سے کھو دیتا ہے صحت قلب بلب
اس کے تن سے زندگی کی روح ہو جاتی ہے سلب
یونہی گر فطرتِ بشر کی ہو گناہوں سے خراب
روح مر جاتی ہے ہو کتنا منور بلب قلب

تمنائے حسنؔ

سمجھتے تھے جنہیں ہم آسماں میں
تمنا ہے سمائے ہیں جہاں وہ
زمیں پر مل گئے وہ قادیاں میں
میرے مولیٰ سما جاؤں وہاں میں

احمدی بچو!

خدا رکھے تمہیں بچو۔ سراپا جوش ہو جاؤ
اگر تم احمدی ہو احمدیت کوش ہو جاؤ
کرو شیروں کو شرمندہ بوقتِ امتحاں لیکن
جہاں ہو احتمالِ شر۔ وہاں خرگوش ہو جاؤ

نماز

اے نمازی نماز کھیل نہیں — پہلے بن آب یہ وہ بیل نہیں
رُو کھے سو کھے ترے رکوع و سجود — یہ وہ تل ہیں کہ جن میں تیل نہیں

دُنیا کے خطاب

بسا اوقات دنیا کے خطابوں کو زبوں دیکھا
زبوں کار زبوں تر سے بھی کچھ ان کو فزوں دیکھا
وہ سر جن کی "سری" اور سربلندی کا نہ تھا ہمسر
حسن ایسے "سروں" کو ہم نے اکثر سرنگوں دیکھا

شاعر کی تمنا

پہلے اپنی ذات کا عرفان بخش
پھر گدا دے کے لئے گذران بخش
زندگی میں بخش اطمینانِ قلب
وقتِ رحلت دولتِ ایمان بخش

مفسدوں کی حالتِ زار

خود جو ہوں بے امن دیں گے غیر کو آرام خاک
جنگجو پہنچائیں گے کیا صلح کا پیغام خاک
جن کو احمدؑ سے ہو کینہ اور حسد محمودؔ سے
ایسے باغی مفسدوں کا ہے حسن اسلام خاک
کیوں نہ ان کے سر پہ ڈالے گردشِ ایام خاک

گرگِ احرار اور یوسفؑ

چاہِ کنعان میں بھائیوں نے گرایا یوسفؑ
چشمِ یعقوبؑ سے ہر چند چھپایا یوسفؑ
جس نے اس وقت کے گرگوں سے چھڑایا اب بھی
گرگِ احرار کے حملہ سے بچایا یوسفؑ

گفتار بہ احرار

نیست مشکل با مزاجِ شیر و افعی ساختن
از پئے دنیائے دُوں دینِ متیں ہم باختن
سہل باشد تاختن بر قادیاں بہرِ فساد
لیک دشوار است جاں در "بنتہل" انداختن

ساقی بالا قد

مجنوں کو حماقت میں اناڑی سمجھا
فرہاد کو مزدور پہاڑی سمجھا
مے مجھ کو جو دی ساقیٔ بالا قد نے
میں بادۂ انگور کو تاڑی سمجھا

تین خداؤں والے

اہلِ تثلیث کہ تھے جھوٹی اداؤں والے
شرک و بدعت کی گھٹاٹوپ گھٹاؤں والے
وقت جب آیا تو پھر ایک خدا والے نے
کیسے مغلوب کئے تین خداؤں والے

اصحاب فیل

حملہ آور ہوئے بیت اللہ پہ جو فیلوں سے
ان کو برباد کیا ہم نے ابابیلوں سے
ہم کرا سکتے ہیں چڑیوں سے تباہ بازوں کو
کام زیپلن کا اگر چاہیں تو لیں چیلوں سے

علم بردوش ہو جاؤ

کمر بستہ رہِ حق میں علم بردوش ہو جاؤ
زباں تبلیغ پر کھولو سراپا جوش ہو جاؤ
مگر یہ جوش ۔ جوشِ نفس سے بالکل مبرّا ہو
نہیں تو اس سے بہتر ہے حسنؔ خاموش ہو جاؤ

لاہور

گرم تھا ہنگامۂ ہستیٔ فانی شور تھا
جس طرف دیکھا وہیں آبادیوں کا زور تھا
ایک دن ایسا بھی آئے گا حسنؔ لاہور پر
دیکھنے والے کہیں گے یاں بھی اک لاہور تھا

گنگا جمنی اشتہار

سلسلہ کی خدمتوں کا ورد کرنا بار بار
لعنۃ اللہ کی سپر پر گاہے رکھنا انحصار
پھر کبھی چیلنج ۔ کبھی دھمکی کبھی عجز و نیاز
مشتہر کا دیکھئے گا گنگا جمنی اشتہار

دل

وہ دل کہتے ہیں جس کو دل بہت کم دل سمجھتے ہیں
کئی جس دل کے اندر ہو بھرا غم دل سمجھتے ہیں
تم اس کو دل سمجھتے ہو دھڑکتا ہے جو پہلو میں
لہو بن کر جو بہہ جائے اُسے ہم دل سمجھتے ہیں

ایک مرتبہ حضور نے حسنؔ صاحب کو از راہِ شفقت یکصد روپیہ عنایت فرمائے۔ اس پر آپ نے یہ شعر کہے :-

جتنا کسی کو چاہے وہ پروردگار دے
دس بیس دے پچاس دے سو دے ہزار دے
کیونکر دعا نہ دل سے ترا جاں نثار دے
مجھ کو دیا ہے سو تجھے داتا ہزار دے
یہ بھی نہیں ہے دُور کچھ اس بے نیاز سے
اسم شمار چھوڑ کر گر بے شمار دے

طنز و ظرافت

گوجرانوالے میں

اک روز لگاتے گشت حسنؔ جا نکلے گوجرانوالے میں
یہ عادت جیسے ہوتی ہے ہر وحشت کے متوالے میں
واں جا اُترے اک مسجد میں تھی مسجد فاقہ مستوں کی
ہر مست ہوا تھا مستی میں تھا فرق نہ گورے کالے میں
یارانِ طریقت مل جل کر لے بیٹھے حلقے میں مجھ کو
میں داغ تھا گویا لالے میں یا چاند گھرا تھا ہالے میں
دل بیٹھ گیا پر جونہی سُنا یاں فصلِ نان نہ تھی اب کے
کوئی اَمبہ کا شائق بے موسم جا نکلے جوں انبالے میں
ایثارِ مجسّم جکڑے تھے زنجیرِ تحمّل میں یوں گویا
مدیُون کوئی ماخوذ ہو جیسے دائن کے دیوانے میں
جب مجھ کو دیکھا یاروں نے یوں ان کے ہوش اُڑ گئے گویا
تھے تن تو گوجرانوالے میں پر رُوحیں تھیں پٹیالے میں
صد حیف نمازِ شام پڑھی اور چھوڑ گئے تنہا مجھ کو
میں یوں تھا گجرانوالے میں جوں ایرانی بنگالے میں
اللہ کے گھر میں بیٹھ گئے اک صف پہ نام خدا لے کر
یوں پاؤں پسارے بیٹھے تھے جوں مکڑی اپنے جالے میں

جب تن پشّوں نے ڈھانپ لیا جاں ڈر گئی دل بھی کانپ گیا
میں کانٹوں کی اک شال میں تھا یا سوئیوں کے دوشالے میں
یہ مچھر تھے یا دھکتی آگ کے جلتے بلتے اخگر تھے
کیا آتش بھر دی خالق نے اس آتش کے پرکالے میں
کچھ فاقہ مستی زوروں پر کچھ آب و ہوا کیف آور تھی
بس پیٹ پہ پتھر باندھ لئے اور ٹالا شالے ٹالے میں
کچھ رات کے جبری روزے میں کچھ یادِ خدا میں شب گذری
کچھ گریہ میں کچھ زاری میں کچھ آہوں میں کچھ نالے میں
سب رات کے بھاگے آ نکلے پھر اک اک کر کے مسجد میں
جب صبح نے چابی آن لگائی رات کے کالے تالے میں
پر اُن کا آنا ایسا تھا گر مجھ سے کوئی سچ پوچھے
جوں سکھ فرنگی لڑتے لڑتے پہنچے چلیانوالے میں
کچھ نُصرت ابنِ ناصر نے کچھ مرزا عزیز احمد نے کی
جب چارہ پیٹ میں جا پہنچا تب نبض چلی گوسالے میں
گو رنج و الم تو بھول چکا پر اب بھی تصوّر کہتا ہے
کچھ سوچ سمجھ کر جانے والے جائیں گجرانوالے میں

رضائی کی ہیئت کذائی

تھی جو لمبائی کی دشمن وہ رضائی لے لی
اور چوڑائی سے گو خالی ہی پائی لے لی

اے مُصوّر تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
ایک تصویر میں یہ تیری صفائی لے لی

ایسا موزوں قد و قامت تو نہ دیکھا نہ سُنا
کبھی آنکھوں کبھی سینہ سے لگائی لے لی

بارِ پنبہ سے بچانے کو نزاکت بھر دی
پھر سلائی کی یہ اعجاز نمائی لے لی

چپقلش جاڑے سے جب رات کو اپنی ہوگی
انگڑائی کبھی لی گاہے جمائی لے لی

یوں رضائی کی محبّت میں ہوئے سودائی
ہم رضائی کے ہیں مجنوں تو رضائی لیلیٰ

قیس مجنوں تھا پھرا نجد میں مارے مارے
ہم نے گھر بیٹھے ہی پنجاب میں پائی لیلیٰ

سُنی جونہی کہ صدائے جرسِ ناقۂ لیلیٰ
وہیں مجنوں نے پُکارا کہ وہ آئی لیلیٰ

ہم رضائی سے خفا اور رضائی ہم سے
بات بنتی نہ تھی پر ہم نے بنائی لے لی

برق و باراں کی تکالیف سے بچنے کے لئے
ہم یہ سمجھیں گے کہ امسال چٹائی لے لی

کبھی اس نے ہمیں اوڑھا کبھی ہم نے اس کو
وہ ہماری تھی تو ہم اس کے فدائی لے لی

وقتِ تکلیف پڑھا کرتے ہیں اِنّا لِلّٰہ
ہم نے الحمد پڑھی سر پہ جو آئی لے لی

"آسماں بار امانت نتوانست کشید"
میں وہ انساں تھا کہ تنہا ہی اٹھائی لے لی

گرچہ مانوس نہ تھی ہم سے رضائی لیکن
تھی گوارا نہ ہمیں اس کی جُدائی لے لی

یہ طبیعت کی تھی تیزی کہ بھری محفل میں
اپنے ذمّے یہ اکیلے نے بُرائی لے لی

عہد پیری میں یہ شوخی یہ شرارت توبہ
یہ رضائی نہ ہوئی سر پہ خُدائی لے لی

شکرِ نعمت میں فزونی کی تھی اُمّید حسنؔ
ہم نے راضی بہ رضا ہو کے رضائی لے لی

میرا تولیہ

میرے تن کی جان میرا تولیہ — ہاں خدائی شان میرا تولیہ
راحتِ رُوحِ رواں میرے لئے — رُوح تھا ایمان میرا تولیہ
عدل کی تھا کان میرا تولیہ — رحم کی دکّان میرا تولیہ
مجھ سے سچ پوچھو تو میری جان تھا — گرچہ تھا بے جان میرا تولیہ
زیبِ ترکستان میرا تولیہ — زینتِ جاپان میرا تولیہ
فخرِ ہندوستان میرا تولیہ — نازشِ ایران میرا تولیہ
تھا مؤدّب اور حاضر باش بھی — تابعِ فرمان میرا تولیہ
تھی نہ اس میں عادتِ آوارگی — تاکہ ہو چالان میرا تولیہ
صبح جا کر شام آتا کس طرح — تھا کوئی انسان میرا تولیہ
کر چکے قیمت ادا جب۔ تولیہ — نہ کہ تھا تاوان میرا تولیہ
تولیہ پرسی کو آئے ہیں رفیق — چڑھ گیا پروان میرا تولیہ
ہونا ہی تھا ایک دن اچھا ہوا — ہو گیا نقصان میرا تولیہ
گھر کا مالک تھا مگر ٹھہرا فقط — تین دن مہمان میرا تولیہ
کس طرح دارالاماں سے بہہ گیا — جانبِ ملتان میرا تولیہ
انجمن والوں نے شاید کر دیا — شاملِ میزان میرا تولیہ
یا کریں اعلان میں فاروق[۱] میں — جس کا ہو عنوان میرا تولیہ

۱؎ ایک اخبار جس کے حضرت میر قاسم علی صاحب کے ایڈیٹر تھے۔

تولیہ میرا نہ تیرا تولیہ — دولتِ رحماں۔ میرا تولیہ
خوب دیتے داد گر سنتے حسنؔ — حضرتِ حسّان۔ میرا تولیہ
غم سے ہو جائے نہ مالیخولیا
اے خدا مل جائے میرا تولیہ

ٹکیہ صابن کی

تالاب کنارے روتی تھی کل بٹیا اک بیراگن کی
جب ظالم کاگا لے بھاگا بن پوچھے ٹکیہ صابن کی
سر ننگے پا برہنہ تھی اور کاگا کاگا کہتی تھی
اک ہاتھ سے تھامے دامن تھی اک ہاتھ میں ٹہنی جامن کی
تھے بال بھی لت پت صابن میں پوشاک بھی تن نازک بھی
تھا ابر میں سورج بھی پنہاں اور تند ہوا تھی پھاگن کی
بیتاب تھی بے کس بے بس تھی حیراں پریشاں سرگرداں
یوں نین برستے جاتے تھے جوں کھا بر سے ساون کی
پردھان بنے بیٹھا تھا وہ اک رُکھ پر جھتّر پُرشوں میں
اس رکھ کی ٹہنی ٹہنی پر آباد تھی لنکا راون کی
کہتی تھی ٹکیہ دے میری اور دے آسیس اس ناپن کی
سکھ باس ہو تیرے بچوں کا اور خیر ہو تیری کاگن کی

ناگاہ زمیں پہ گری ٹکیہ ڈکھیا نے لپک کر ہاتھ میں لی
یُوں خوش تھی جیسے ہاتھ لگی ہو چھٹیا بچھڑے ساجن کی
جب غسل میں تھے مصروف حسنؔ کچھ یونہی طبیعت آ جو گئی
یہ نظم زباں پر جاری تھی اور ہاتھ میں ٹکیہ صابن کی

لیڈیانِ ہند

لیڈیانِ ہند جب کونسل کی ممبر ہو گئیں
قند تھیں پہلے تو اب قندِ مکرّر ہو گئیں
ان کے دل میں اب سروں کی منزلت ہو کس طرح
جب سروں کے فیضِ صحبت سے وہ خود سر ہو گئیں
برتھ پر تو کر چکی ہیں اچھا خاصا کنٹرول
اب گزٹ ہو گا کہ ڈیتھ پر بھی گورنر ہو گئیں
جب سے یہ فیشن کے اَپ ٹو ڈیٹ سانچوں میں ڈھلیں
کچھ مثلّث - کچھ مربّع - کچھ مُدَوّر ہو گئیں
سرکشی سے اُن کی گھر گھر سر ہوئے ہیں سرنگوں
سر ہوئے ہیں میڈ ہیں اور میڈ ہیں سر ہو گئیں
بس حسنؔ خاموش رہ ورنہ قیامت آئے گی
گر کہیں دو چار بھی آپے سے باہر ہو گئیں

افضل حق و مظہر علی

زباں بدگوئی پر جس کی چلی ہو
بدی کے گویا سانچے میں ڈھلی ہو
بُرا کہتے انہیں آتی نہیں شرم
کوئی رستہ ہو کوچہ یا گلی ہو
وہ ڈرتی کیا کسی کے شور و غل سے
جو ٹھٹھیاروں کے گھر بلّی پلی ہو
حسنؔ! ایسوں سے بہتر ہے کنارہ
وہ افضل حق ہو یا مظہر علی ہو

چوٹی کا شاعر

لگا دے نشترِ فتنہ سے بزمِ امن کو ٹیکہ
کوئی باریک بیں بھانپے نہ سمجھے عقل موٹی کا
کہ یہ پُتلا کھری نیّت کا مالک ہے کہ کھوٹی کا

نہ ہو سامانِ پوشش جب نہ بندوبست روٹی کا
نہ تن پر جب رہے کپڑا نہ ٹکڑا پاس روٹی کا

تو پھر یہ بد گہر ڈاکو کمائی قوم کی لُوٹے
یہ اس شاعر کا حلیہ ہے جسے کہتے ہیں چوٹی کا

آپ کیا ہیں

یہ مانا بڑے انڈی پنڈنٹ ہیں آپ
نہ روکے رُکے وہ کرنٹ ہیں آپ
چراغِ رُخِ پارلیمنٹ ہیں آپ
ریاست کے اعلےٰ ریزیڈنٹ ہیں آپ
وطن اور اہلِ وطن سے ہیں غافل
تو پھر بے وفا سنٹ پرسنٹ ہیں آپ

فارغ نشیں

سخت جاں کچھ کر کے ایل ایل۔بی پلیڈر بن گئے
اور کچھ سعی مسلسل کر کے ریڈر بن گئے
پر وہ سب سے بڑھ گئے فارغ نشیں جو دوڑ کر
جا گھسے احرار میں اور فٹ سے لیڈر بن گئے

حسن نظامی

حسن نظامی ہے بے تاب در دِ دلّی سے
جنابِ گاندھی کی بیعت ہے شیخ چلّی سے
ادھر ہیں مونجے اُدھر مالوی و پرمانند
یہی تھے پانچوں جو آئے سوار دلّی سے

وہائٹ پیپر

جس کو نیپلن میں سمجھتا تھا وہ کائٹ نکلا
کس قدر ویک میری آنکھ کا سائٹ نکلا
جو یہ کہتا تھا کہ ہو ہند میں راج ہندو کا
اُس کی قسمت کا جو پیپر تھا وہ وہائٹ نکلا

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

سیاسی کونسلوں میں ایک کونسل اتحادی ہے
جو ان سب کے لئے گویا عدالت اعتمادی ہے
سُنا ہے لیگ سیکس میں ندا دی ہے یہ ہاتف نے
ظفر۔اللہ والوں کی قدم بوسی کی عادی ہے

سر اقبال

واہ کیا شان ہے تری بھوپال — اور بھی ہو بلند جاہ و جلال
تا دمِ زیست پائیں گے تجھ سے — پانصد ماہوار "سر اقبال"

مُرغ کی چوری

(اللہ بخش سٹیم پریس کا مُرغ چوری ہونے پر)

مطبع سے اللہ بخش کے یہ اُٹھ رہا ہے شور
مُرغ حلال کھا گیا کوئی حرام خور
مرحوم کی وفات پر روتے ہیں زار زار
تیتر۔ بٹیر۔ فاختہ زاغ و زغن چکور
مُنہ نوچتی ہے رانڈ پیا کے فراق میں
اہلِ جفا کے سامنے چلتا نہیں ہے زور
کہتی ہے بار بار کہ اس چور کو خدا
دے قید کی سزا بھی تو قیدِ عبورِ شور
اس دُزدِ بے حیا کو پکڑ لوں میں ناک سے
میری مدد کو آئے اگر قادیاں کی کور
ڈر ہے حسن کو اب سے یہ مرغانِ بانگ دن
ککڑوں کڑوں کو چھوڑ کر چلّائیں چور چور

ڈاڑھی

وہ ڈاڑھی شریعت میں جسے سُنتے تھے مقبول
اس ریش میں کچھ عرض تھا کچھ طول بھی معقول
معقول کی جب بحث سے نکلی ہوئی منقول
ماضی میں تو معروف تھی پر حال میں مجہول
مجہول پہ حجّام نے کی دست درازی
آئینہ دکھا کر لیا معمول سے محصول
جس چہرہ پہ اب ریشِ مقطّع نظر آئے
کہتے ہیں اُسے ریش منڈے آتا ہے وہ فُول
فیشن کی حفاظت نے اُسے کر دیا برباد
جو باقی بچی وہ ہے کَعَصْفٍ مَّاکُول

میاؤں

وہ بلّی جل چکے جس کے تھے پاؤں
ملی جس کو ہمارے گھر میں چھاؤں
حسن اب وہ ہمارے گھر کی بلّی
ہمیں کرنے لگی خُر خُر میاؤں

ریڈیو

حلق میں گر گرد پڑ جائے تو فوراً کھانس دو
کوفتہ مزدور بے چارے کو لینے سانس دو
ریڈیو لینے کی گر سر میں سما جائے ہوا
ریڈیو لینے سے پہلے لیجئے گا بانس دو

کالیجیٹس کے متعلق

بڑے خوش بخت ہیں وہ جو فنا فی العلم رہتے ہیں
جوانی کی بھی مستی میں فنا فی الحلم رہتے ہیں
مگر ہاں بیشتر وہ نازنیں کالج نشیں لونڈے
فنا فی الحلم دن کو شب فنا فی الفلم رہتے ہیں

کالیجیئٹ گرلز

فروتنی نہ ہی عجز و نیاز مانگیں گی
خدا کا خوف نہ سوز و گداز مانگیں گی
یہی ہوائے چمن ہے تو لڑکیاں نوخیز
جہیز میں بھی ہوائی جہاز مانگیں گی

بانکے سنوریا

لاہور کی ایک سڑک پر کسی کو ڈھولک پر ایک گیت گاتے ہوئے سُن کر فی البدیہہ یہ اشعار کہے:۔

جفاکش سخت جاں رُکتے نہیں گو ان کے رستے ہیں
جبل ہو دشت و صحرا ہو خسک یا کوہ و دریا ہو
دلائیں گے وہ کیونکر مادرِ بھارت کو آزادی
زباں پر جن کے روز و شب مرے بانکے سنوریا ہو

گڈ نائٹ

غسل ہے بے کار جب تک لکس و سنلائٹ نہ ہو
تکیہ ہے آزار جس پر نقش گڈ نائٹ نہ ہو
کالر و نکٹائی ٹیڑھی مانگ یہ سب کچھ درست
رُخ پہ گر چشمہ نہ ہو سائیڈ بھی رائٹ نہ ہو

لاٹ صاحب کی کوٹھی پر گوروں کا پہرہ دیکھکر

جناب لاٹ کی کوٹھی پہ ہم گئے دلّی — تو ایک دستہ مسلح تھا بدنہادوں کا
سُنا تو کرتے تھے لیکن بچشم خود دیکھا — حلال زادوں پہ پہرہ حرامزادوں کا

اُنتیس ۲۹ کا چاند

بوسکی کی شرٹ ہو شلوار ہو کٹ پیس کی
اور دوپٹے کی ململ کم سے کم چھبیس ۲۶ کی
ہاں ہلالِ عید سے کہہ دے کوئی جا کر حسنؔ
کیا بگڑتا ہے ترا گر عید ہو اُنتیس ۲۹ کی

مال روڈ پر ایک نظارہ دیکھکر

آنکھ کا کان کا خدا حافظ — مال پر جان کا خدا حافظ
ناگہاں ایک متّقی بولے — دین و ایمان کا خدا حافظ

حسرت کی داد

شکوہ ہے نصیبے کا نہ قسمت کا گلا ہے
مل جاتا ہے جو کچھ کہ مقدّر میں لکھا ہے
پر تجھ سے دُعا ہے تو حسنؔ کی یہ دُعا ہے
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
جنّت بھی ہو آباد گنہگار بھی ہوں شاد

بیاہ کی روٹی

(ایک دعوت میں شرکت پر جب آپ سے کچھ سُنانے کی فرمائش کی گئی)

ہم گئے کھانے بیاہ کی روٹی
سر پہ ٹوپی تھی ہاتھ میں سوٹی
چند چاول تھے جن کی چوٹی پر
وحدہٗ لاشریک تھی بوٹی

ذکاوتِ حسنؔ

کیا بتاؤں ستایا کس کس نے
صبح کو اُس نے شام کو اس نے
جو کمی رہ گئی وہ پوری کی!
گھر کی لونڈی ذکاوتِ حسنؔ نے

چارہ گرِ کامل

علاج دردِ دل چارہ گرِ کامل سے ملتا ہے
تڑپنا پھڑپھڑانا لوٹنا بسمل سے ملتا ہے
حسنؔ ڈھونڈے تو مل جاتی ہے دنیا بھی نئی لیکن
میری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

(۲)

رُخِ روشن ترا مانا مہِ کامل سے مِلتا ہے
تمازت میں خورِ تاباں حسنؔ کے دل سے مِلتا ہے
یہ ملتی جُلتی چیزیں مِلتے جُلتے بل ہی جاتی ہیں
مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے مِلتا ہے

(۳)

محبت کا مزا ملتا ہے جب دل دل سے مِلتا ہے
مگر مشکل تو یہ ہے دل بڑی مشکل سے ملتا ہے
مراجی چاہتا ہے کاٹ لوں تیرا لبِ لعلیں
کروں کیا بس نہیں چلتا مرا اک دانت ہلتا ہے

قصور

سرعبدالقادر کی فرمائش پر ایک محفل منعقدہ قصور شہر میں
یہ فی البدیہہ اشعار کہے گئے

مانوس ہیں گناہوں سے تقویٰ سے دُور ہیں
اس پر حریصِ جنّت و غلمان و حُور ہیں
یُوں بخش دے تو بات جُدا ہے وگرنہ ہم
مستوجبِ سزا ہیں کہ اہلِ قصور ہیں

گلابی ساڑھی

وہ جوتھی گاڑھے پسینے کی کمائی گاڑھی
دے کے کچھ قرض میں قارض کے چھڑائی داڑھی
جو بچی باقی میاں لائے ہیں بی بی کے لئے
اک جگر دوز حیا سوز گلابی ساڑھی

غلامِ نبیؐ

چھلک رہا ہے یہاں صبح و شام جامِ نبی
سنایا جاتا ہے ہر دم یہاں کلامِ نبیؐ
حسنؔ مقامِ تعجب ہے جائے حیرت ہے
نبی کے خُلق سے بے بہرہ ہو غلامِ نبیؐ

اظہارِ حقیقت

وہ مشتاق ہیں ویلوٹ و جارجٹ کے
ہیں محتاج ہم کمبل و کارپیٹ کے
حسنؔ اُن سے پَیس کی توقع عبث ہے
جو عادی ہوں فو۔ناٹ اور فارگیٹ کے
FORGET NOT

ONCE MORE

ونس مور

جب عیاں ہوتا ہے محفل پر مری نظموں کا زور
دمبدم اٹھتا ہے ہر جانب سے تحسینوں کا شور
سم کرائی آوٹ - ویل ڈن تھینک یو اینڈ ایکسلنٹ
سم ادریس شاعر ما زندہ باشی ونس مور

حقیقی سربلندی

نتیجہ خیز کارآمد حقیقی تو وہی ہوگی
عنایت جو خدا کی بارگاہ سے سربلندی ہو
وگرنہ سربلندی لغو و نقلی ہوگی یوں جیسے
دو پتے تو سمر قندی ہوں ٹٹو یارقندی ہو

لسی

اگر خشکی کا غلبہ ہو تو گھی پی
TEA
اگر بلغم ستاتی ہو تو ٹی پی
کچھ ان چیزوں پہ خرچ آئے گا تیرا
FREE
اگر تو چاہے مل جائے لسی تو فری پی

سائبان

(جمعہ کے روز مسجد کو بغیر سائبان دیکھ کر)

تو اگر مہربان ہو جائے — نار بھی گلستان ہو جائے
دھوپ ہے تیز لے مرے سرتاج — ابر ہی سائبان ہو جائے

محرم راز

نے رفیقے نہ یار دمسازے — نے انیسے نہ محرم رازے
زن و فرزند چوں شود مردار — کرگساں اندر گرد شہبازے

زندوں کا قبرستان

جلسہ سیالکوٹ کے موقعہ پر جبکہ آپ کو مسجد کی محراب میں مچھروں نے ستایا۔ اور باقی لوگ باہر صحن میں بے خبر سو رہے تھے آپ نے چند شعر فی البدیہہ کہے:۔

شب خدا کے گھر میں اندھیرے کا اک طوفان تھا
یہ اندھیرا آپ اپنے آپ پر حیران [illegible]
رات بھر شاعر رہا محراب میں مصروف حرب
بندۂ مفلس ادھر تھا اور ادھر [illegible]

زندہ مردے قبر سے باہر تھے بے غسل و کفن
یہ خدا کا گھر تھا یا زندوں کا قبرستان

مؤنث نوجوان

دورِ حاضر کے مؤنث نوجواں — صنفِ نازک کے مکمل ہم عناں
از پئے تقلیدِ آئینِ زناں — پاتے ہیں سیلون میں آرامِ جاں

کامل ارادت

بدلتے دیکھے ہیں باہم کشیدہ کے حالات
دُعا سے ٹلتے ہیں اکثر وعید کے حالات
نہ ہو جو پیر سے کامل ارادت و اخلاص
تو اچھے ہو نہیں سکتے مرید کے حالات

لعنت کے پلندے

پسند آتے نہ تھے جن کو پسندے
مرغن ہندے اور بنیے کے چندے
پسندوں ہندوں چندوں کے عوض اب
انہیں ملتے ہیں لعنت کے پلندے

شعر غالب

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو اُن کے جی میں کیا آیا کہ عُریاں ہو گئیں

گرہ از حسن

بڑھ گئیں اُن سے بھی لیکن یہ زمینی بیٹیاں
وہ ہوئیں تھیں شب کو اور یہ دن کو عریاں ہو گئیں

"برباد کر کے خاک میں ہم کو ملا دیا"

کسی نوجوان کے مندرجہ بالا مصرع پڑھنے پر فی البدیہہ یہ تضمین کی :-

اسلام کا تو پہلے ہی سب کچھ بھلا دیا
چہرے پہ اک نشان تھا وہ بھی مٹا دیا
تصویر خود بگاڑی مصوّر پہ ہے گلا
برباد کر کے خاک میں ہم کو ملا دیا

اذان

موذّن کی اذان سُن کر نمازی دوڑ کر آئے — یہاں ہے کچھ وہاں ہے کچھ خدا کے گھر کے ہمسائے
موذّن کیا بگڑتا تھا تیر اگر یوں بھی کہ دیتا — اِدھر حیّ علی الماء اُدھر حیّ علی الشّاء
مراد دچائے)

اخلاقِ کالج

بخت لے آیا جن کو کالج میں — گرچہ ایم اے ہوئے ہیں نالج میں
خُلق سے ایسے عاری ہیں جیسے — ہو گرفتار کوئی فالج میں

ستّو

مجھے کل مل گئے تیّار ستّو — عزیز از جان برخوردار ستّو
مگر ایسے ہوئے بیزار مجھ سے — کہ آخر کر گئے بیمار ستّو

مہندی

کٹی - کچلی گئی - پیسی - چھنی - بھیگی - گُندھی مہندی
جب اتنے دُکھ سہے تب اس کے پاؤں میں لگی مہندی

مسجد کی خالی ٹوٹیاں دیکھ کر

آبشاریں - نہریں - دریا چشمہ و تالاب دیکھ
پھر خدا کے گھر میں آکر ٹوٹیاں بے آب دیکھ

اس وقت بابا نواب دین موذّن تھے:-
وہاں غیر ممکن ہے پانی کہیں ہو
جہاں ساقیٔ قوم نو آب دیں ہو

پکوڑیاں کھلانے پر

نہ چھوٹی ہے نہ لمبی ہے نہ چوڑی
نگوڑی چٹ پٹی خستہ پکوڑی
نہ پوچھو تیزیٔ رفتار اس کی
زباں پہ رکھتے ہی معدہ میں دوڑی

جگر کو شراب نے مارا

سب سے پہلے تو چشمِ عاشق کو — چہرۂ بے نقاب نے مارا
دلِ خانہ خراب کو ؔزاں پس — تیغِ ابرو کی آب نے مارا
تیغ ابرو سے بچ کے جو بھی گرا — چاہِ غبغب کے آب نے مارا
سب کو معلوم ہے کہ مرحب کو — کس طرح بُوتراب نے مارا
شیخ کی ریش کی سپیدی کو — جرمنی کے خضاب نے مارا
مرنے والوں میں پھر حسنؔ کو بھی — خوفِ روزِ حساب نے مارا

سب کو مارا جگرؔ کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

حافظ عبدالرحمٰن صاحب پشاوری دُکاندار کے دودھ پلانے پر

دودھ جس کو مانتے ہیں سب غذائے بہترین
اور جس کی شان میں ہے سَائِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ
دوغِ شیریں شیرِ خالص ہم قلاقند نفیس
ہست پیشِ عبدِ رحمان لَاتَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ

بڑا بول

کل مجھ سے ایک لیڈرِ احرار نے کہا
آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں
پنجاب کے ہیں احدی چھپن ہزار گل
اور لطف یہ ہے واقفِ پیکار بھی نہیں
سارے جہاں کی قوموں سے ہے ان کی چپقلش
ان منچلوں کا کوئی مددگار بھی نہیں
تیر و تفنگ و توپ سے ٹھانی ہے جنگ کی
اور حال یہ ہے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
ناداں بگاڑ بیٹھے ہیں حکّامِ وقت سے
پہچانتے زمانے کی رفتار بھی نہیں
بات اس کی سن کے میں نے کہا اس کو بس خموش
تم کو تو کچھ سلیقۂ گفتار بھی نہیں
یہ کیا کہا! کہ حامی ہمارا نہیں کوئی؟
ناداں تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
ناداں ہماری پشت پہ وہ بادشاہ ہے
یہ دنیا جس کے وار کی اک مار بھی نہیں

تیر و تفنگ و توپ سب اس کے غلام ہیں
تلوار کیا کٹاری ہمیں نار بھی نہیں

محمود کا کمال سیاست یہی تو ہے
لڑتا ہے اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک دفعہ حضرت نواب محمد علی خان رض نے اپنی ایک دختر نیک اختر کے میٹرک میں کامیاب ہونے پر بعض احباب کی اپنے باغ میں ٹی پارٹی کی تقریب کی۔ حسن صاحب رہتاسی بھی عین موقعہ پر بن بلائے مہمان کی طرح گھومتے ہوئے کہیں سے آنکلے۔ حضرت نواب صاحب کی اچانک ان پر نظر پڑی تو آپ نے فرمایا حسن صاحب آپ آگئے ہیں ذرا اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمادیں۔ چنانچہ حسن صاحب نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہا :-

بڑھے ہیں جانب محفل قدم اُٹھائے ہوئے
ہم اپنے پیٹ کی خاطر ہیں آپ آئے ہوئے
وہ اور تھے جو یہ کہتے تھے اگلے وقتوں میں
خدا کے گھر بھی نہ جائیں گے بن بلائے ہوئے

خضاب میں گذری

کچھ شراب و کباب میں گذری
کچھ حساب و کتاب میں گذری
عہدِ طفلی سے بے خبر ہیں ہم
باقیماندہ خضاب میں گذری

ایک پارٹی میں ماسٹر بی کام صاحب کو مدعو کیا گیا۔ وہ بعارضہ زکام بیمار تھے۔ چنانچہ حسن صاحب بھی زکام میں مبتلا ہو گئے۔ اس پر آپ نے فی البدیہہ کہا :-

دیدارِ عام "مسٹر بی کام" دے گئے
اور جاتے جاتے تحفۂ زکام دے گئے

مولوی ابوالعطأ جالندھری کے متعلق

قنوجی ہو کوئی کالنجری ہو
کسی کا دیس یا پانڈی چیری ہو
کسی کی گل نہیں سکتی وہاں دال
جہاں علامۂ جالندھری ہو

۱۹۰۸ء میں خان آف زیدہ کو مخاطب کرکے ذیل کے اشعار کہے

میں نہیں کہتا کہ میں تیرے علم داروں میں ہوں؟
اے شہ انصاف تیرے کفش برداروں میں ہوں
ہے سرِ خدمت مرے سر میں سرورِ جسم و جاں
بے سروساماں مجسم تیرے سرداروں میں ہوں
گو تجھے معلوم ہے لیکن بطورِ عرضِ حال
ان دنوں سرکار مری بستہ برداروں میں ہوں

ایک جلسہ کی تقریب کے اختتام پر حسن صاحب سے کچھ سنانے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہا:۔

مجھ کو اخیر وقت دیا نظم کے لئے
شایان نہ تھا ضرور میں اس بزم کے لئے
ناراض ہوں نہ آپ تو میں اتنا پوچھ لوں
ملّا تھا میں کہ مجھ کو رکھا ختم کے لئے

ایک مرتبہ یونیورسٹی ہال لاہور میں سر عبدالقادر کی صدارت میں بزمِ مشاعرہ گرم تھی۔ مشاہیر شعراء میں سے کوئی بھی سامعین کی ہاؤ ہو میں اپنا رنگ نہ جما سکا۔ سر عبدالقادر نے حسن صاحب کو بلایا آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہا جس سے تمام ہال تحسین و آفرین سے گونج اٹھا۔

کچھ تو اس بزم میں ہیں شائقِ قال
اور کچھ طالبِ حقیقتِ حال
بیچ کو آئی شاعروں کی ٹیم!
مجھ کو پھینکا گیا "ٹرائل بال"

شاعری

حق و حکمت دین و دانش سے جو پُر ہے شاعری
لعل ہے۔ یاقوت ہے۔ نایاب دُر ہے شاعری
اور اگر ان خوبیوں سے ہے تہی دامن تو پھر
صورتِ خر شاعر ہے، اور گوزِ شتر ہے شاعری

سر شہاب الدین کی ایک محفل میں موجودگی پر حسن صاحب نے فی البدیہہ کہا :-

محفلِ احباب میں کچھ سر ہیں کچھ بے سر بھی ہیں
کچھ نرینہ نر ہیں کچھ مادہ نواسے نر بھی ہیں

مرزا گل محمد رئیس قادیان کار میں بیٹھے ہوئے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شکار کھیلنے جا رہے تھے حسن صاحب ایک پان والے کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے - مرزا گل محمد کو مخاطب کر کے کہا ؎

جا رہے ہیں کار میں بہرِ شکار
گل ہیں ان میں ایک باقی سب ہیں خار

(مرزا صاحب نے بطورِ انعام پانچ روپے دیئے)

جہلم میں ایک دودھ والے کی دوکان پر دودھ پینے گئے - اس نے دُودھ خوب بالائی ڈال کر دیا جس سے بہت خوش ہوئے - چاندنی رات تھی جب دودھ پی چکے تو سرور اور لذت کے ساتھ طبیعت میں جولانی پیدا ہوئی دودھ والے سے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا "چراغ" حسن صاحب نے فی البدیہہ کہا

چاند آسمان پر ہے زمیں پر چراغ ہے
دونوں کو دیکھ دیکھ کے دل باغ باغ ہے

جب مرزا گل محمد صاحب کے دوسری شادی کرنے پر اولاد ہوئی تو کہا ؎

میری دعا یہی ہے حسن حشر تک نہ ہو
مرزا نظام دین کے گھر کا چراغ گل

حسن صاحب محلہ دارالفضل میں رہا کرتے تھے اور اکثر شمس الدین صاحب فیتہ ساز (دارالفضل) کے مکان پر آ کر حقّہ پیا کرتے تھے - ایک دفعہ ان کے مکان پر دستک دی تو جواب ملا کہ وہ امرتسر گئے ہیں - اسی وقت دروازہ پر چاک سے ذیل کا شعر لکھ ڈالا ؎

کسی کو تیر نے مارا کسی کو مارا ٹکّے نے
بہت قسمت کے ماروں کو حسن مارا ہے حقّے نے

حسن صاحب چوہدری ظفر اللہ خان کی کوٹھی گئے اور ذیل کا شعر لکھ کر اندر بھیجا :-

آپ ہیں سر اور میں ہوں دردِ سر
چھوڑ کر سر دردِ سر جائے کدھر

صبح کٹتی ہے تیر تکّے پر
رات بسمل کے گرم حقّے پر

غلام نبی کی بھینس

میدان کی ۔ پہاڑ کی خشکی تری کی بھینس
کچھ غم نہیں مرے جو کہیں بھی کسی کی بھینس
کیونکر نہ سوگوار ہو بھینسوں کا خاندان
جب کوچ کر گئی ہو غلام نبی کی بھینس

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی نے حسن صاحب کو کچھ کیلے دیئے لیکن کیلے ذرا سخت جان تھے ۔ آپ نے اس پر فی البدیہہ کہا :-

سخت جاں کیلا جو کھایا ہم نے مجبوری کے ساتھ
سینچئے گا اس کو ماءاللحم انگوری کے ساتھ

ایک نوجوان کے دریافت کرنے پر کہ آپ کے کتنے بھائی ہیں ۔

وحدہٗ لاشریک کے بندے
وحدہٗ لاشریک ہوتے ہیں

حسن رہتاسی صاحب کو ایک مرتبہ اتفاق سے دلّی جانا پڑا ۔ کمرہ کی حفاظت کے لئے ایک صاحب کو چھوڑ گئے ۔ جس نے اُن کے گھی پر ہاتھ صاف کر دیئے ۔ ذیل کے اشعار اسی واقعہ کے آئینہ دار ہیں ۔

ایک بڑھیا نے پکائی کھیر سی
وہ گئی باہر تو کتا کھا گیا
میں گیا دلّی تو پیچھے میرا گھی
قادیاں کا ایک بلّا کھا گیا

پاس مذہب کا نہ کچھ دین کی پابندی ہے
دھڑ تو مسلم ہے مگر چہرہ دیانندی ہے

از خبیث بدگر اُمیدِ بہبودی مدار
بُوعلی نہ نوشت در قانون ۔ ماءاللحم مار

خُوش بتیر ہو ۔ خُوش رنگ ہو ۔ خُوش قند ہو چاہئے
لب ریز ہو ۔ لب سوز ہو لب بند ہو چاہئے

حسنؔ کھا لیتے ہیں مل جائے جو بھی
ٹماٹر ہو کہ آلو ہو کہ گوبھی

نہ کدو نہ توری نہ تر مانگتا ہوں
تیری خیر شام و سحر مانگتا ہوں

چریدہ کچھ پریدہ کچھ رمیدہ کچھ دریدہ ہے
ہے داڑھی یا شجاع آباد کا نخلِ خمیدہ ہے

کارِ رفتہ

زمانہ جانتا ہے ۔ میں حسنؔ اک کارِ رفتہ ہوں
دامن میں مرے "آب و گل" بھی ہیں جواہر بھی
مرے ہاتھوں میں کلیاں ہوں کہ کانٹے سب برابر ہیں
سخن کُش بھی سخن گو بھی سخن داں بھی سخن ور بھی

عالی مقام

مریضِ ناتواں کا حال سمجھایا نہیں جاتا
ہر اک سعیٔ دوا و مدعا سے رنج ہوتا ہے
میں اب عالی مقاموں کے درِ دولت پہ کیوں جاؤں
بتوں کے سامنے ذکرِ خدا سے رنج ہوتا ہے

متفرقات

جن کی صورت میں بے حیائی ہو — اور سیرت میں بے وفائی ہو
کیسے احمق ہیں جن کا ایسوں پر — دل گیا ہو طبیعت آئی ہو

وہ جو تھا باشندۂ رہتاس شاعر مر گیا
جس کی تھی پرواز ملکوں تک وہ طائر مر گیا

اک نگاہِ لطف ہو جائے تو بیڑا پار ہے
ورنہ بے چپو شکستہ ناؤ اب منجدھار ہے

صف باندھے جب کھڑے ہوں نمازی حصیر پر
سجدے میں ہو نگاہ تو ایڑی لکیر پر

دیدۂ عبرت نگاہ

اس بُتِ خود سر نے مارے سر پہ جُوت — فرش پر کُرسی پہ اور بستر پہ جُوت
جب ہوا ثابت کہ ہیں غدارِ قوم — قوم سے کھانے لگے ممبر پہ جُوت

دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ

(ایک دوکاندار کی فرمائش پر)

دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ
آنے والو جانے والو
دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ
یا سمجھو اک دنگل ہے
اِس نے ریلا اُس نے پیلا
دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ
یہاں سے ہیں سب جانے والے
کیا گُرو کیا اس کا چیلہ
دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ
کھیل کھیل کے آخر ہارا
جو بھی اس بازی کو کھیلا
دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ
دم آئے تو آدم آدم
بے دم آئے آدم بے دم
کھا پی۔ دے کچھ راہِ خدا میں
روٹی کپڑا پیسہ دھیلہ

دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ
جاڑے میں چائے گرم تو پی تھی
گرمی میں یخ بوتل بھی پی
وٹو۔ وِمٹو کنگ اور جنجر
رسبری بیمن روز اور کیلا
دُنیا ہے کوئی دم کا میلہ

میلوں میں

کھیلو جائز مفید کھیلوں میں
احمدیت دکھاؤ جیلوں میں
گر سمجھتے ہو لغو کے اغراض
بھُول کر بھی نہ جاؤ میلوں میں

ہیچ میدانی کہ سگ را چیست غوغا با گدا
منع مے سازد کہ جُز حق بر درِ دیگر مرو

جوانی لاکھ مردہ ہو جوانی پھر جوانی ہے
بُڑھاپا لاکھ زندہ ہو بُڑھاپا پھر بُڑھاپا ہے

۱۹۳۱ء میں جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود سے ملنے شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ قادیان تشریف لائے۔ اس موقعہ پر ایک تقریب میں حسن رہتاسی کی ایک نظم میرے کلاس فیلو محترم خواجہ عبدالغفور ڈار سابق ایڈیٹر اصلاح سرینگر نے خوش الحانی سے پڑھی جس کا ایک شعر حاصل ہو سکا ہے

چناں شد شہرۂ بے امنئ کشمیر در دنیا
کہ در دار الاماں بہرِ تلاشِ امن شیر آمد

کلامِ حسن

قبول عام ہے گرچہ حسن کلام ترا
صبا کے دوش پہ مانا کہ ہے پیام ترا
کیا ہے کام تو سارا ملائکہ نے مگر
ہوا ہے مفت میں بدنام یونہی نام ترا

بہ انگشتِ عصا پیری اشارت مے کند مارا
کہ مرگ اینجاست، یا اینجاست یا اینجاست یا اینجا

بتقریب ورود ملک شیر محمد خانصاحب،
انسپکٹر جنرل شفاخانہ جات پنجاب بمقام گوجر خاں ضلع راولپنڈی

نکھرا ہوا سا رنگ رُخ روزگار ہے
آب و ہوائے دہر بھی کیا خوشگوار ہے
گرچہ خزاں کا دور ہے گلشن میں آجکل
آمد کسی کی مژدۂ فصلِ بہار ہے
گل پر اگر ہزار ہے سو جان سے نثار
گل بھی ہزار جاں سے نثارِ ہزار ہے
صُوفی ہے صومعہ میں اگر محوِ ذکرِ حق
مشغولِ شغلِ دختِ رز بادہ خوار ہے
آمد کسی جواں کی گجر خان میں ہے آج
ایسا جواں کہ بخت ور و بختیار ہے
گجر کے ساتھ خان کا الحاق مرحبا
ایجادِ پوٹھوہار کا یہ شاہکار ہے
میدانِ پُر فضا میں لب سڑک ہسپتال
اور اردگرد حلقہ بندِ کہسار ہے
دار الشفاء کا آئے ہیں کرنے معائنہ
مولا کی بخش، جن پہ بروں از شمار ہے
کیونکر کرے نہ ناز شفاخانہ آپ پر
اللہ کی رحمتوں کا بندھا اس پہ تار ہے
اعلانِ زید و عمر کا محتاج یہ نہیں
یہ اپنی نیک نامی کا آپ اشتہار ہے
ہر وقت اس پہ رحمت اللہ کا ہے نزول
گویا نشانِ رحمتِ پروردگار ہے
خوش خلق نیک خُو ہے معالج حلیم بھی
کامل ہے اپنے فن میں تو نیک شعار ہے
ایک لیڈی ڈاکٹر ہے زنانہ طبیب بھی
خاموش ہے یہ شریف ہے اور ہونہار ہے
ڈسپنسر و ڈریسر و مالی و آبدار
جس کو بھی دیکھئے گا بڑا ہوشیار ہے

کلامِ حسن

بیمار دے رہے ہیں دل و جاں سے دعا
آمین کہتا ساتھ ہی تیماردار ہے

القصہ ہسپتال کی یہ شان دیکھ کر
ثابت ہوا کہ "ایک ٹلک" پر مدار ہے

ہاں وہ "ٹلک" کہ جس سے گورالی کا نام ہے
سنجیدہ ہے ذہین ہے عالی وقار ہے

اللہ رے بزمِ شیر محمد کا کرّ و فر
دشمن کا دن بھی خوف سے تاریک و تار ہے

سچ پوچھیئے تو شیر محمد کے سامنے
گرگ و پلنگ و فیل کا کیا اعتبار ہے

ان خوبیوں کو چھوڑ کے بھی یہ جوہرِ خاص
اک مردِ متقی کی بڑی یادگار ہے

جاگیر کا خیال نہ خلعت کی آرزو
حاضر ہوا اسلام کو یہ خاکسار ہے

ہاں اتنی عرض کرتا ہے شاعر تیرے حضور
یہ گیر و دار فانی و ناپائیدار ہے

ضائع کرے نہ کوئی بزرگوں کا نیک نام
گر اپنی نیک نامی کا امیدوار ہے۔

باقی کا نام دنیا میں جب رہ گیا بُرا
کیا فائدہ سرائے اگر زرنگار ہے

روئے زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے
رستم کہاں ہے دیکھیے کہاں اسفندیار ہے

ضحاک و جم کہاں ہیں ہلاکو کدھر گیا
جس کی لحد میں مار کہیں مور و سمار ہے

آئی ندا یہ طغرل و سنجر کی قبر سے
مونس ہے کوئی اپنا نہ ہی غمگسار ہے

مردہ ہے وہ شقی کہ جو غافل ہے دین سے
زندہ ہے وہ سعید کہ جو دیندار ہے

اچھا ہے یا بُرا ہے غرض کچھ بھی ہے حسن
تیری رضائے قلب کا امیدوار ہے